من کی آگ



من کی آگ

مصنفہ ——— سٹیفن جوئیک
مترجمہ ——— کامل القادری

مکتبۂ ارشد
مزنگ ——— لاہور

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے!

اشاعت اوّل ——— ۱۹۵۷

تعداد ——— ایکہزار

قیمت ——— -/۸/عہ

مطبع ——— استقلال پریس لاہور

ناشر

مکتبۂ ارشد

مرزا محمد بیگ سٹریٹ مزنگ ——— لاہور

ابتدائیہ

افسانوی ادب سے طبعی مناسبت نہیں ہے۔ دیباچہ نویسی کے خارزار سے بھی دامن کشاں رہا ہوں۔ چنانچہ بے دلی سے اسٹیفن زویگ کے ناول کا ترجمہ "من کی آگ" پڑھنا شروع کیا۔ "میں نے پانچویں شمع جلا لی ہے۔ اور میز پر بیٹھی ہوئی آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ میں تنہا اپنے مردہ بچے کے پاس بغیر کسی دوسرے سے اپنے دل کا حال کہے نہیں رہ سکتی۔ اور اس منحوس ساعت میں یہ آپ کے سوا اور کس سے کہہ سکتی ہوں۔ آپ! جو میرے لئے سب کچھ رہے ہیں۔ اور ہیں۔ میں صرف آپ سے مخاطب ہونا چاہتی ہوں تاکہ آپ کو پہلی دفعہ سب کچھ بتا سکوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ میری پوری زندگی سے واقف ہو جائیں۔ میری زندگی جو ہمیشہ سے آپ کی رہی اور جس کی بابت آپ کچھ نہیں جانتے۔

——— مگر آپ پر میرا راز اس وقت ظاہر ہوگا جب میں مر

چکی ہونگی۔ جب اس دنیا میں وہ ہستی نہ ہو گی جس کو آپ کو جواب دینا ہو۔ آپ اس کو صرف جان سکیں گے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ وہ شے جو میرے اعضاء کو حرارت اور برودت سے ہلائے دے رہی ہے۔ واقعی میری موت ثابت ہو۔ اگر مجھے زندہ رہنا پڑا تو میں مکتوب پھاڑ کر پھینک دوں گی۔ اور خاموش نہ ہوں گی۔ جیسے کہ میں ہمیشہ خاموش رہی ہوں۔ اگر کبھی یہ خط آپ کے ہاتھ میں پہنچے تو آپ سمجھ لیں کہ ایک مردہ عورت آپ کو افسانۂ حیات سنا رہی ہے۔ اس حیات کا افسانہ جو شروع سے ہوش کے آخر لمحے تک صرف آپ ہی کا تھا۔ آپ کو میرے الفاظ سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ایک مری ہوئی عورت کچھ نہیں جانتی ———— نہ محبت، نہ ترحم، نہ تسلی۔ میری آپ سے صرف ایک التجا ہے کہ اس بیان کا ایک ایک لفظ سچا تسلیم کریں۔ جس کا انکشاف درد دل کے لمحوں میں آپ سے کر رہی ہوں۔ میرے لفظوں کا یقین کیجیے۔ کیونکہ اب میں آپ سے اور کچھ نہیں چاہتی۔ ایک ماں اپنے اکلوتے بچے کے جنازے پر بیٹھ کر جھوٹ نہیں بولے گی ————" میں سحر زدہ ہو گیا۔ یہ ایک انانیت سے بھری ہوئی بلا خیز، بلا نصیب عورت کا خط اپنے اس محبوب کے نام تھا جو اسے نوازش کر چکا ہے کہ ایک شب کسی ایسی نوجوان لڑکی کے ساتھ

اُس نے بسر کی تھی۔ جو دل و جان سے اُس پہ فریفتہ تھی۔ غرورِ حسن اور وقارِ نسوانی اس مثالی عورت کو مُہر بہ لب رکھتا ہے۔ وہ خاموشی سے آتشِ عشق میں سلگتی رہتی ہے۔ تاآنکہ اس کا بیٹا انفلوئنزا سے فوت ہو جاتا ہے۔ اور وہ خود بھی خواہشِ مرگ کو اپنا لیتی ہے۔ اس نازک مرحلے پہ وہ اپنی رودادِ حیات غالبؔ کے لب و لہجہ میں لکھتی ہے۔

سُن اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

ناولچہ بہ اعتبارِ موضوع مختصر ہے۔ ایک بچی ایک ادھیڑ عمر ناول نگار سے مانوس ہو جاتی ہے۔ عنفوانِ شباب میں اسے اپنا مرکزِ نگاہ بنا لیتی ہے۔ اور چند سال کے بعد وہ دونوں دو گھڑی مل کر جدا ہو جاتے ہیں جیسے ساون کے بادل گھر گھر آتے ہیں اور برس برسے کُھل جاتے ہیں۔ ناول نگار خود فراموش، مصروف اور تھوڑے بے نیاز اور لاابالی کردار شخصیت کا مالک ہے۔ حافظہ بھی کمزور معلوم ہوتا ہے۔ نیز ایک نوجوان لڑکی کو اشاروں سے اپنانے اس کے لئے کوئی خاص معنویت بھی نہیں رکھتی۔ چنانچہ اُسے وہ بالکل فراموش کر دیتا ہے۔ وہ اُسے بھول جاتا ہے۔ لیکن لڑکی جو اس پہ دل و جان سے عاشق ہے۔ جو اُسے خالص مشرقی عورتوں کی طرح اپنا دیوتا تصور کر چکی ہے۔ جو سنجیدگی اور

وارفتگی کے جذبے سے مغلوب ہے۔ جو اُسے اپنا شوہر سمجھتی ہے
اور اُسی لطف و کرم کی خواہشمند ہے۔ اس کی نخوت فراموشی اور بے
اعتنائی سے ایک پُراسرار نفسیاتی تناقض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جو
اکثر انفسی (INTROVERT) شخصیت رکھنے والے لوگوں کا
خاصہ ہوتا ہے۔ وہ خود ہی خود اپنی گھٹتی رہتی ہے جلتی اور تڑپتی رہتی ہے،
زندگی کا مفہوم کھو بیٹھی ہے۔ دنیا اس کے لئے عذاب جہنم ہے۔ لیکن اس
کے باوجود جذبۂ پرستش سے سرشار اور مدہوش ہے۔ وہ اپنے محبوب سے
انتہائی خلوص محبت کرتی ہے۔ زبان سے اظہار عشق بھی نہیں کرتی۔ لیکن اپنی
آگ میں خود ہی خاکستر بنی جاتی ہے۔ غرضیکہ حسن و وقار نسوانی جذبۂ
محبت اور پُراسرار انانیت سے لبریز ہے لیکن وہ اپنے محبوب
کی قربت چاہتی ہے۔ بقیہ مرد سیدون، بارہا وہ اس کے سامنے
ہوتی ہے۔ اس کے پاس سے گزر جاتی ہے۔ وہ خود فراموش اُسے
پہچانتا تک نہیں اور نہ وہ اس سے بولتی چالتی ہے۔ وہ از سرِ نو تعارف
کی تضحیک و تذلیل گوارا کرنے کے بجائے بے حسی کی آگ میں جلتی رہنے کو ترجیح
دیتی ہے۔

بار بار موضوع چنانچہ افسانہ زیادہ اہم نہیں ہے لیکن اکثر و بیشتر
مجرد مسائل کی داستان سرائی اسی انداز کی ہوتی ہے۔ لیکن افسانہ ختم

ادبی شہ پارہ ہے۔ اس کی عظمت درامیت، گمارا ز اسٹیفن زویگ کی دلآویز پُر شعریت زبان و انداز بیان کے ساتھ ہی ساتھ نفسِ انسانی پر اس کا غیر معمولی دسترس ہے۔ ثقافتی تناقض، اقتصادی رشتے اور تحلیل نفسی کا متوازن دلکش و دلفریب امتزاج ہے۔ یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسٹیفن زویگ اس زمانے میں نفسیاتی موضوع پر افسانہ لکھتا ہے جب فرائیڈ کے نظریات ادب میں باریاب نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ تحلیل نفسی کا سایہ ادب پر پڑا تھا۔ اس حقیقت کا اعتراف خود فرائیڈ نے زویگ کے ایک ناولچہ "اموک" پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا ہے۔ اور وہ موصوف اس کا مداح اور اس کی تعریف میں رطب اللسان اسی لئے ہوا کہ وہ اپنے کرداروں کی نہ صرف تحلیل نفسی کرتا ہے بلکہ معاشی اور معاشرتی روابط اور عمل و ردِ عمل کو بھی ملحوظ رکھتا ہے۔

اسٹیفن زویگ بیسویں صدی کے ان بلند پایہ مصنفوں میں ہے جس کا نام انسانیت دوستی میں بے مثال ہو چکا ہے۔ اور جس کا فن سرفہرست ہے۔ بالزاک، دستوفسکی، ٹالسٹائی، ڈکنس کا جو ایک بے حد مداح تھا۔ اور آج اس کا نام ان عظیم المرتبت فنکاروں کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اور ان کے پڑھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں

کہ مختلف موضوعات پر لکھتے ہوئے اس کا لب و لہجہ کتنی لطافت و نزاکت اختیار کر لیتا ہے۔ خیالات و عبارت کے زیر و بم اور مدّ و جزر کی دلکشی کس قدر فردوس نگاہ ہوتی ہے۔ اور اسلوب بیان کس قدر عجب سماں ہوتا ہے۔

اسٹیفن جوئیک۔ بنیادی طور پر شاعر ہیں لیکن شاعری کے علاوہ سوانح نگار، ناقد، اور متعدد ناولوں اور افسانوں کے مصنف ہیں۔ اور ہر صنف ادب میں ان کا پلّہ بھاری ہے۔ پر لطف بات یہ ہے کہ ان کی شاعرانہ شعریت کی چھاپ ہر صنف ادب پر ثبت ہے۔

—— بے پناہ انسانیت دوستی کا طوفانی جذبہ ——

تربیت یافتہ ذوقِ جمال —— امن و آشتی کا پیام ——

نفسِ انسانی کی نت نئی کرشمہ سازی کا احساس —— جوئیک کے فن کو سمجھنے کی کنجیاں ہیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ نفس انسانی کے پُر پیچ، پہلوؤں، اندر کے اسرار، تناقضات اور اختلافات کا فہم و ادراک اس قدر جامع اور مکمّل رکھتا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف نفسِ انسانی کے تار و پود سے واقف ہے بلکہ اس کے خفیف سے خفیف ارتعاش اور اہتزاز کا بھی مزاج داں ہے۔ اور ان کے اظہار و بیان پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ یہاں ایک اور بات بھی توجہ طلب ہے

جرمنی ثقافتی لحاظ سے مشرقی اقدار اور نظام اخلاقیات سے بہت قریب ہے۔ وہاں زن و شو کا رشتہ مثالی ہوتا ہے۔ ازدواج کی بنیاد پائیدار ہوتی ہے۔ وہاں کی عورتیں دیویاں اور مرد دیوتا ہوتے ہیں۔ صدیوں کے ثقافتی ادبی علمی و فلسفیانہ نظریات و اقدار کے واضح نقوش معاشرتی زندگی میں پائے جاتے ہیں۔ یوں بھی زمانہ قدیم سے مردم خیز خطہ رہا ہے۔ نیٹشے، گوئٹے، اسپنگلر، ژاں گو، وکٹر ہیوگو۔ آئن اسٹائن کا دیس ہے۔

چنانچہ ثقافتی اور ذہنی اعتبار سے زیرِ نظر ناولچہ کا ماحول ہمارے لیے اس قدر اجنبی نہیں معلوم ہوتا جس قدر دیگر یورپی ممالک اور امریکہ کے افسانوی ادب ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی ہر بالی ناری کوئی عورت اپنے پریتم (جو شوہر ہوتا ہے)، کو خود بخود جذبات کی شدت اور ایثار چاہے معاوضہ کا ہی تیار ہوتا ہے۔ حرف و لفظ سے یونہی خون کی بوندیں ٹپکتیں۔ صوت و بیان سے اسی طرح چنگاریاں بھڑکتی ہیں۔ درحقیقت یہ فسانہ نہیں ہے۔ منثور غزل ہے۔ میر کے ستر نشتروں کا مجموعہ۔

اس ناقابلِ ترجمہ ناول کو میرے فاضل دوست سید کمال القادری نے اردو لباس پہنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جرمنی سے انگریزی اور پھر انگریزی سے اردو کے لباس میں جلوہ گر کرتے کرتے اصل کے رنگ و روغن اور خوشبو میں کچھ نہ کچھ کمی ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اردو

ترجمہ شروع سے آخر تک بے خلش، رواں، ہموار، اور پاک و صاف ہے۔ چنانچہ یہ بات تو کہی جا سکتی ہے کہ آج کل جو ترجمے ہو رہے ہیں اور جس انداز کا "مادر پدر آزاد" ترجمہ کیا جا رہا ہے اس کو دیکھ کر عبرت ہوتی ہے۔ یہ میرے لئے مقام مسرت ہے کہ قادری صاحب کا کیا ہوا یہ ترجمہ ایک استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے جستہ جستہ اس کے بعض مقامات کا مقابلہ کیا اور ترجمہ کے لحاظ سے بھی۔ ـــــ رواں دواں بیان کے طور پر بھی مجھے اس میں خاصی صحت، توانائی، اور دلکشی نظر آئی۔ میری آرزو ہے کہ قادری صاحب کچھ اور اعلیٰ درجے کی کتابوں کے ترجمے بھی کریں۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ اس کام کے لئے خاص طور پر موزوں ہیں۔

سید عبداللہ

ڈاکٹر سید عبداللہ

پرنسپل اورینٹل کالج لاہور

مشہور ناول نگار "آر" ایک مختصر تعطیل میں پہاڑ پر گیا ہوا تھا۔ علی الصبح واپس آتے ہوئے اس نے سٹیشن پر ایک اخبار خریدا۔ اور جب اس کی نظر تاریخ پر پڑی تو اس کو یاد آیا کہ یہ اس کی سالگرہ کا دن ہے —— اکتالیسویں سالگرہ کا خیال بجلی کی سرعت کی طرح اس کے دماغ میں دوڑ گیا۔ مگر اس بات پر اسکو خوشی ہوئی اور نہ غم۔ اس نے ایک گاڑی والے کو بلایا اور اس میں سوار ہو کر گھر کو روانہ ہو گیا۔ اس کے ملازم نے اسکو بتایا کہ اس کی غیر موجودگی میں چند ملاقاتی آئے ہوئے تھے۔ اور اکثر اشخاص نے ٹیلیفون بھی کئے تھے۔ علاوہ ازیں خطوط کا ایک پلندہ بھی اس کے انتظار میں پڑا تھا۔ اس نے ان پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور وہ چار خط جن کے بھیجنے والوں سے اُسے دلچسپی تھی، کھولے۔ مگر ایک بھدے سے لفافے جس پہ

غیر معروف رسم الخط میں لکھا ہوا تھا۔ اس وقت بغیر کھولے ہوئے الگ رکھ دیا۔

آرام کرسی پر بیٹھ کر اس نے صبح کی چائے پی لی۔ اخبار دیکھا۔ کچھ دیر کے بعد

اور بقیہ خطوط کی طرف متوجہ ہوا۔

اس میں خط کی نسبت مسودہ کا زیادہ شبہ ہوتا تھا۔ جو نسوانی رسم الخط میں تیزی سے لکھے ہوئے چند درجن صفحات پر مشتمل تھا۔ اس نے غیر اختیاری طور پر لفافہ پر پھر نظر ڈالی کہ شاید اس کے جاننے والے کا کوئی خط یا پرچہ اس میں شامل ہو۔ جو اس کی نظر سے محو ہو گیا ہو۔ مگر اس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ نہ دستخط تھے۔ اور نہ لفافہ پر اور نہ خط میں کہیں بھیجنے والے کا پتہ "عجیب بات ہے"۔ اسے خیال ہوا جب اس نے خط پڑھنا شروع کیا۔ شروع میں یہ الفاظ تحریر تھے۔

"آپ کو جنہوں نے مجھے کبھی نہیں پہچانا۔"

وہ محجوب سا ہوا۔ کیا خط اس کو لکھا گیا تھا۔ یا کسی فرضی شخص کو؟ ان باتوں سے اس کو خط میں ایک دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور اس نے پڑھنا شروع کیا:۔

میرا لڑکا کل مر گیا۔ اس کمزور اور نحیف زندگی کے لئے میں دو تین دن اور تین رات موت سے جنگ آزما رہی ہوں، متواتر چالیس گھنٹوں تک جب کہ اس کا ننھا سا جسم انفلوئنزا کے بخار سے دہک رہا تھا۔ میں اس کے بستر کے قریب بیٹھی رہی۔ دن اور رات۔ رات اور دن اس کے سر پر ٹھنڈے پھاہے رکھتی رہی۔ میں

نے اس کے چھوٹے چہرے کو تکتے ہوئے ہاتھ پکڑ لئے تھے۔ تیسری شام کو میری طاقت نے جواب دے دیا۔ میری لاعلمی میں میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور میں تین چار گھنٹے اسٹول پر سوتی رہی ہوں گی۔ اس درمیان میں موت اس کو مجھ سے چھین لے گئی۔

میرا پیارا بچہ، اپنی تنگ چارپائی پر وہ لیٹا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ مرا تھا۔ صرف اس کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ سب سنجیدہ گہری آنکھیں اور اس کے ہاتھ اس کے سینے پر رکھے ہوئے ہیں۔ چار شمعیں جل رہی ہیں۔ بستر کے ہر کنارے پر ایک ——— میں کچھ نہیں سکتی۔ میں ہل نہیں سکتی۔ چونکہ جب ان شمعوں کے شعلے ہلتے ہیں اس کے چہرے اور بند ہونٹوں پر سائے ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے دوڑتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اعضا متحرک ہیں۔ اور مجھے محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان سب کے باوجود وہ مرا نہیں ہے۔ وہ جاگ اٹھے گا اور اپنی صاف آواز میں کوئی طفلانہ محبت آمیز بات کہیگا۔ مگر میں جانتی ہوں کہ وہ مر چکا ہے۔ میں دوبارہ اسے نہیں دیکھونگی۔ ایک دفعہ اور امید پیدا کرنے کے لئے ایک دفعہ اور مایوس ہو جانے کے لئے!

میں جانتی ہوں کہ میرا بچہ کل مر گیا ہے۔ اب دنیا میں میرے صرف آپ باقی رہ گئے ہیں۔ آپ جو بغیر کسی خیال کے انسانوں اور چیزوں سے کھیل کر عشرتوں میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

میں نے اپنی پانچویں شمع جلا لی ہے۔ اور میز پر بیٹھی ہوئی آپ کو خط لکھ رہی

ہوں۔ میں تنہا اپنے مردے بچے کے ساتھ بغیر کسی دوسرے سے اپنے دل کا حال کہے نہیں
رہ سکتی۔ اور اس منحوس ساعت میں یہ آپ کے سوا کس سے کہہ سکتی ہوں۔ اور آپ
کہ جو میرے لئے سب کچھ رہے ہیں۔ اور نہیں۔

شاید میں آپ پر اپنا مطلب اچھی طرح واضح نہ کر سکوں۔ میرے سر میں بہت
گرانی ہے۔ میری کنپٹیاں تپ سے پھٹ رہی ہیں۔ میرے اعضاء میں درد ہے۔
میرا خیال ہے کہ میں بھی بخار میں مبتلا ہو جاؤں گی "انفلوئنزا" اس حصے میں پھیلا ہوا
ہے۔ اور غالباً مجھے شروع ہو گیا ہے۔ مجھے غم نہیں ہو گا۔ اگر اس طرح زندگی گزارنے
کی بجائے اس طریقہ سے میں اپنے بچے سے جا مل سکوں۔ کبھی کبھی میری آنکھوں کے
سامنے بالکل تاریکی چھا جاتی ہے۔ میں شاید ہی اس کو ختم کرنے کے قابل رہ سکوں۔
میں اپنی تمام طاقت کے ساتھ یہ کوشش کروں گی کہ اس وقت اور صرف اس وقت
اپنا حال بیان کر سکوں۔ آپ سے میرے محبوب! آپ مجھے نہیں جانتے۔
میں صرف آپ سے مخاطب ہونا چاہتی ہوں۔ تاکہ پہلی دفعہ آپ کو سب کچھ بتا سکوں۔
میری خواہش ہے کہ آپ میری پوری زندگی سے پورے واقف ہو جائیں۔ میری
زندگی سے جو ہمیشہ آپ کی رہی اور جس کی بابت آپ کچھ نہیں جانتے۔ مگر آپ پر میرا
راز اس وقت ظاہر ہو گا جب میں مر چکی ہوں گی۔ جب اس دنیا میں میں نہ ہوں گی جس کو
آپ کو جواب دینا ہو گا۔ آپ صرف اس کو جان سکیں گے نہ بھی اس صورت میں

کہ وہ شے جو میرے اعضاء کو حرارت اور بودنت سے ہلائے دے رہی ہے واقعی میری موت ثابت ہو۔ اگر مجھے زندہ رہنا پڑا تو میں یہ مکتوب پھاڑ کر پھینک دوں گی۔ اور خاموش رہوں گی جیسے کہ میں ہمیشہ خاموش رہی ہوں۔ اگر کبھی یہ خط آپ کے ہاتھ میں پہنچے تو آپ سمجھ لیں کہ ایک مردہ عورت آپ کو اپنا افسانہ حیات سنا رہی ہے۔ اس حیات کا افسانہ جو شروع سے ہوش کے آخری لمحے تک آپ کی تھی۔ آپ کو میرے الفاظ سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ کہ مری ہوئی عورت کچھ نہیں چاہتی نہ محبت، نہ ترحم، نہ تسلی ——— میری آپ سے صرف ایک التجا ہے کہ اس بیان کا ایک ایک لفظ سچا تسلیم کر لیں جس کا انکشاف دردِ دل کے ہاتھوں میں آپ سے کر رہی ہوں۔ میرے لفظوں کا یقین کیجئے۔ میں آپ سے اور کچھ نہیں چاہتی۔ ایک ماں اپنے اکلوتے بیٹے کے جنازے پر بیٹھ کر جھوٹ نہ بولیگی۔

میں آپ کو پوری روداد حیات سنانا چاہتی ہوں۔ وہ روداد حیات جو در اصل اس دن سے پیشتر جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا ——— شروع ہی نہیں ہوتی۔ اس دن سے پیشتر کا تصور پریشان اور دھندلا سا تصور ہے۔ ایک ایسے کمرے کی یاد جو خاک دھول سے اٹا ہو۔ اور جہاں کی چیزیں اور لوگوں پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہو ——— ایک ایسی جگہ جس سے میرے دل کا کوئی تعلق نہیں۔ جب آپ میری زندگی میں آئے میں تیرہ برس کی تھی۔ اور اسی عمارت میں

رہتی تھی جس میں آج آپ رہتے ہیں - اسی عمارت میں جس میں آپ اس وقت یہ خط پڑھ رہے ہیں - جو میری زندگی کی آخری سانس ہے - میں اسی منزل میں رہتی تھی - چونکہ میرے گھر کا دروازہ آپ کے گھر کے سامنے تھا آپ ہم لوگوں کو یقیناً بھول چکے ہوں گے - آپ عرصہ سے اکاؤنٹنٹ کی منحوم بیوہ اور چھوٹی کمزور لڑکی کو فراموش کر چکے ہوں گے - ہم لوگ ہمیشہ سب سے الگ خاموش زندگی بسر کرتے تھے - یہاں تک کہ ہم پر تکلف شرافت کا نمونہ بن گئے تھے - شاید ہی کبھی آپ نے ہمارا نام سنا ہو - چونکہ ہمارے مکان کے سامنے دروازے پر کوئی پلیٹ نہ تھی اور کوئی ہم سے ملنے کو نہ آتا تھا - علاوہ ازیں اس بات کو بہت عرصہ بیت چکا ——— تقریباً پندرہ سولہ برس، ناممکن ہے کہ آپ کو یہ باتیں یاد ہوں - لیکن مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا - ——— وہ دن، وہ ساعت جب میں نے پہلی مرتبہ آپ کی بابت سنا - پہلی مرتبہ آپ کو دیکھا - مجھے اس طرح یاد ہے گویا یہ سب کچھ ابھی ہوا ہے - اس کے خلاف ہو بھی کیسے سکتا ہے خصوصاً جب مجھے اس بات کا احساس ہو کہ دنیا میرے لئے اسی وقت شروع ہوتی ہے ——— تھوڑی دیر صبر کیجئے - اور مجھے شروع سے آخر تک سب کچھ بتانے دیجئے ——— تھوڑی دیر بعد آپ ان حالات کے سننے سے نہ تھکیں - کیونکہ میں زندگی بھر آپ سے محبت کرنے سے نہ تھکی ہوں

آپ کے آنے سے پیشتر جو لوگ آپ کے حصۂ مکان میں رہتے تھے وہ قابل نفرت لوگ تھے۔ وہ ہر وقت لڑتے جھگڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اگرچہ وہ حد درجہ غریب تھے مگر وہ ہم سے ہماری غربت کی بنا پر نفرت کرتے تھے۔ چونکہ ہم ان سے علیحدہ رہتے تھے ——— وہ شخص شراب پیتا تھا اور اپنی بیوی کو مارتا تھا۔ اکثر رات ہم کرسیوں کے گرنے اور رکابیوں کے ٹوٹنے کی آواز سے جاگ اٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ جب اس نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ خون بہنے لگا اور وہ اپنے کھلے ہوئے پریشان بالوں کے ساتھ بھاگ کر باہر آئی۔ اور اسکا شوہر شراب کے نشے میں اس کو برا بھلا کہتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا۔ تو تمام لوگ زینے کے پاس جمع ہو گئے ——— اور پولیس کے بلانے کی دھمکی دی۔ میری والدہ ان لوگوں سے کچھ تعلق نہیں رکھتی تھی۔ اس نے مجھے ان بچوں کے ساتھ کھیلنے سے منع کیا تھا۔ اور وہ ہمیشہ میرے منع کرنے پر مجھے برا بھلا کہتے۔ اور جب وہ سڑک پر مجھے ملتے تو مجھے گالیاں دیتے۔ اور ایک دفعہ برف کی گیند بنا کر میرے سر پر کھینچ ماری جو اتنی سخت تھی کہ میرا سر ہل گیا۔ گھر میں ہر شخص ان سے متنفر تھا۔ اور ہم سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ جب کسی وجہ سے ان لوگوں کو وہ مکان چھوڑنا پڑا ——————— میرا خیال ہے کہ وہ شخص چوری کے سلسلے میں پکڑا گیا تھا۔ کچھ عرصہ تک مکان کے خاص دروازے پر "کرائے کے لئے خالی ہے" کا نوٹس لٹکا رہا۔ پھر وہ اتار لیا گیا — اور منتظم نے ہمیں

بتایا کہ مکان ایک مصنف نے کرایہ پر لیا ہے۔ جو غیر شادی شدہ ہے۔ اور جسکی بابت امید ہے کہ وہ دوسروں کے لئے باعث تکلیف نہ ہوگا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب میں نے آپ کا نام سُنا۔

چند دنوں کے بعد کمرے اچھی طرح صاف کیئے گئے۔ اور رنگ کرنے والے اور سجانے والے آئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے بہت شور مچایا۔ مگر میری ماں خوش تھی کیونکہ اس نے کہا کہ اب برابر والے گھر میں شور نہیں مچا کرے گا۔ نقل و حرکت کے اس دوران میں میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ آرائش اور سامان کی ترتیب کا کام آپ کے ملازم کی زیر نگرانی میں پورا ہوا۔ جس کے چھوٹے سفید بال تھے۔ برتاؤ نہایت سنجیدہ تھا۔ اور جو بظاہر عمدہ گھرانوں میں نوکر رہ چکا تھا۔ اور وہ نہایت قاعدہ سے ہر چیز کو ترتیب دے رہا تھا۔ اور ہم اُن سے نہایت متاثر ہوئے۔ شہر کے نواح میں واقع شدہ ہمارے مکان میں اتنے اعلیٰ انجینئر ملازم کی موجودگی ایک نئی بات تھی۔ علاوہ ازیں وہ بہت شائستہ تھا۔ دوسرے ملازموں سے مل کر بیکار وقت نہیں گنواتا تھا۔ شروع ہی سے میری والدہ کے ساتھ ادب سے پیش آیا اور وہ ہمیشہ چھوٹے بچوں تک کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا۔ جب کبھی آپ کا نام لیتا تو اس طرح معلوم ہوتا تھا اس کے جذبات آپ کے متعلق ایسے ہیں گویا آپ اس کے خاندان کی پرورش

کرتے ہیں ۔ میں اس بنا پر معمر جان سے محبت کرنے لگی ۔ حالانکہ ساتھ ہی ساتھ
میں اس سے رشک بھی کرتی تھی ۔ چونکہ اسی میرے مقابلہ میں یہ حق حاصل تھا کہ
ہر وقت وہ آپ کو دیکھے اور آپ کی خدمت کرے ۔

آپ جانتے ہیں کہ میں یہ معمولی باتیں کیوں بتا رہی ہوں ؟ میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ کس قدر شروع ہی سے آپ کی شخصیت کا مجھ پر اس قدر اثر چھا گیا جب کہ میں محض ایک چھوٹی سی سترہ سالہ لڑکی تھی اس سے پہلے کہ واقعی میں نے آپ کو دیکھا میرے تصوّر میں آپ کے چہرے کے چاروں طرف ایک نورانی حلقہ تھا ۔ آپ دولت ، حیرت اور اسرار کے ایک ماحول میں چھپے ہوئے تھے ۔

لوگ جن کی زندگیاں تنگ ہوتی ہیں کسی نئی تبدیلی کے خواہشمند ہوتے ہیں ۔ اور نواحِ شہر میں اس مکان میں ہم آپ کا بیقراری سے انتظار کر رہے تھے ۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میرا شوق نقطۂ حرارت تک پہنچ گیا تھا ۔ سہ پہر کو اسکول سے واپس آ کر میں نے فرنیچر کی گاڑی کو آپ کے دروازے پر کھڑا پایا ۔ تمام وزنی چیزیں اوپر پہنچا دی گئیں تھیں ۔ اور فرنیچر اٹھانے والے اب چھوٹی چھوٹی چیزیں پہنچا رہے تھے ۔ میں دروازے میں کھڑی دیکھ رہی تھی ۔ اور دل ہی دل میں تعریف کرتی رہی —— چونکہ وہ ہر چیز جس کا آپ سے تعلق تھا کچھ ان چیزوں سے مختلف تھی ۔ جن کی میں عادی تھی ۔ ان میں ہندوستان کے تراشیدہ مجسمے تھے ۔ اٹلی کے تراشیدہ بت

بڑی چمکدار رنگین تصویریں تھیں ۔ سب سے آخر میں کتابیں آئیں ۔ عمدہ کتابیں میرے وہم و گمان سے بھی زیادہ دروازے کے قریب اُن کا ڈھیر لگا دیا گیا ۔ ملازم وہاں مستعدی سے کھڑا تھا ۔ اور ایک ایک کتاب کی خاک جھاڑ رہا تھا ۔ میں حریص نگاہوں سے کتابوں کے ڈھیر کی طرف دیکھ رہی تھی جو برابر بڑھتا جا رہا تھا ۔ آپ کے ملازم نے مجھے وہاں سے نہیں ہٹایا مگر اس نے میری حوصلہ افزائی بھی نہیں کی ۔ اس لئے میں نے ان کتابوں کو چھونے سے جھجک رہی تھی ۔ حالانکہ میں ... ان کی چرمی جلد پر ہاتھ پھیرنا چاہتی تھی ۔ میں نے جھکتے ہوئے کچھ کتابوں کے نام دیکھے ۔ ان میں سے اکثر انگریزی اور فرانسیسی زبان میں تھے ۔ اور کچھ دوسری زبانوں میں تھیں ۔۔ میں ایک لفظ بھی نہیں جانتی تھی ۔ میں وہاں گھنٹوں کھڑی دیکھتی رہی ۔ مگر میری ماں نے مجھے آواز دی اور مجھے اندر جانا پڑا ۔

میں اس دن شام کو آپ کا خیال کرتی رہی حالانکہ ابھی تک میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا ۔ میرے پاس صرف ایک درجن سستی کتابیں تھیں جن پہ دفتی کی جلد تھی ۔ مجھے دنیا میں ہر چیز سے زیادہ ان سے محبت تھی ۔ میں اکثر اُن کو پڑھتی اور دوبارہ پڑھتی ۔ مجھے تعجب تھا کہ آخر وہ کیا آدمی ہوگا جن کے پاس اس قدر زیادہ کتابیں ہیں ۔ جس نے اتنا کچھ پڑھا ہے ۔ جو اتنی زبانیں جانتا ہے ۔ جو دولتمند اور ساتھ ہی ساتھ اس قدر قابل ہے ان کتابوں کے خیال نے میرے دل میں آپ کی ایک تصویر اُبھار

اور ما فوق الفطرت عزت پیدا کر دی --- میں نے اپنے دماغ میں آپ کا تصور قائم کرنا چاہا - آپ ایک بوڑھے آدمی ہونگے - اور ہمارے جغرافیہ کے استاد کی طرح عینک لگی ہوگی - اور لمبی داڑھی ہوگی - مگر ان سے بہت زیادہ رحمدل زیادہ نفاست پسند اور زیادہ مہربان ہوں گے - نہ معلوم کیوں مجھے یقین تھا کہ آپ خوبصورت ہوں گے - چونکہ میرا خیال تھا کہ آپ ایک حسین آدمی ہوں گے - اسی رات کو پہلی مرتبہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا -

دوسرے دن آپ مکان میں اٹھ آئے - لیکن ——— حالانکہ میں منتظر تھی - میں آپ کے چہرے کی جھلک نہ دیکھ سکی - اور ناکامی نے میری آتش شوق کو اور بھڑکا دیا - آخر کار تیسرے دن میں نے آپ کو دیکھا - مگر میں کسی قدر متعجب ہوئی - جب میں آپ اپنی طفلانہ تصور کے قائم کردہ ایک ذہنی بوڑھے باپ سے بالکل مختلف پایا - ایک عینک لگائے ہوئے بوڑھا ——— شخص ——— یہ تھا وہ آدمی جس کی میں متوقع تھی - اور آپ آئے اس شکل و شباہت کے ساتھ جیسا کہ آپ اب بھی جوان ہیں - چونکہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر امتداد زمانہ کا اثر نہیں ہوتا - ہلکے بھورے چار خانے کا آپ ایک خوبصورت سوٹ پہنے ہوئے تھے - اور آپ لڑکوں کی سی تیزی اور آسانی کے ساتھ جو آپ کی تمام حرکات میں نمایاں ہے ایک ایک قدم میں دو دو سیڑھیاں چڑھ رہے تھے - آپ کے ہاتھ میں ہیٹ

تھا۔ اس لئے میں ایک ناقابل بیان جذبہ تحیر و ستائش کے ساتھ آپ کا درخشندہ و شگفتہ چہرہ دیکھ سکتی تھی۔ آپ کی خوبصورت دُبلی پتلی خوش وضع شبیہ میرے تصوّرات کے ساتھ صریحی طور پر متصادم تھی۔ کیا اس لمحۂ اولین میں ہی میں نے وہ بات اچھی طرح پہچان لی تھی جو ہمیشہ میرے لئے اور تمام دوسرے لوگوں کے لئے باعث تعجب رہی ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ آپ کی ہستی میں دو ہستیاں پیوست ہیں۔ میں نے دیکھا آپ ایک خوش طبع نوجوان ہیں — جن کا مشغلہ ہنسی مذاق، کھیل کود اور اپنے خطرات میں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے آرٹ میں آپ گہرے مطالعہ اور اعلیٰ قابلیت کے ایک نہایت سنجیدہ شخص ہیں جن میں ذمہ داری کا ایک شدید احساس موجود ہے۔ غیر ارادی طور پر میں نے دیکھا جیسا کہ پھر اس شخص نے بھی دیکھا ہے جو آپ کو جانتا ہے کہ آپ دو زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک زندگی سے سب واقف تھے۔ یہ وہ زندگی تھی جو تمام دنیا پر ظاہر تھی۔ دوسری زندگی دنیا کی نظروں سے پوشیدہ تھی۔ اور صرف آپ ہی پر اچھی طرح واضح تھی۔ میں نے، تیرہ برس کی ایک لڑکی نے جو آپ کی کشش کے سحر میں گھیری ہوئی تھی۔ آپ کی ہستی کا راز آپ کی دو زندگیوں کا یہ عمیق اختلاف پہلی ہی نظر میں دریافت کر دیا تھا!

کیا اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ مجھے، ایک بچی کو کس درجہ ایک معجزہ، ایک غیر قابل حل مگر جاذب نظر معمہ معلوم ہوئے ہونگے۔ آپ وہ شخص تھے جن کی بابت

ہر شخص عزت کے کلمات ادا کرتا تھا۔ چونکہ آپ کتابوں کے مصنف تھے اور چونکہ آپ اس وسیع دنیا میں مشہور تھے۔ یکایک آپ نے اپنے آپ کو ایک پچیس سالہ خوش پوش نوجوان کی صورت میں مجھ پر منکشف کر دیا تھا۔ مجھے غالباً یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس وقت سے میری چھوٹی محدود دنیا میں صرف آپ ہی میری دلچسپی کا باعث تھے۔ میری زندگی آپ کی حیات کا طواف وفاداری کے ساتھ کر رہی تھی۔ جو ایک تیرہ برس کی لڑکی کے شایاں ہے۔

میں نے آپ کو دیکھا۔ آپ کی عادتوں کو جانا، ان لوگوں کو دیکھا جو آپ کو ملنے آتے تھے۔ اور اس بات نے آپ کی شخصیت میں بجائے میری دلچسپی کو ختم کرنے کے اور بڑھا دیا۔ چونکہ آپ کی فطرت کے دونوں پہلو آپ کے ملاقاتیوں کے فرق مراتب میں نمایاں تھے ان میں کچھ نوجوان تھے۔ کچھ آپ کے ہم عمر ساتھی کچھ بے احتیاطی سے لباس پہنے ہوئے طالب علم تھے۔ جن کے ساتھ آپ ہنستے اور رنگ رلیاں کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ عورتیں بھی تھیں جو موٹروں میں آتیں۔ اور ایک دفعہ تھیٹر کا مہتمم ———— وہ بڑا آدمی جس کو اس سے پیشتر میں نے صرف دور ہی سے دیکھا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے آپ سے ملنے آیا۔ آپ کے ملاقاتیوں میں کچھ لڑکیاں جو اسکولوں میں تعلیم پا رہی تھیں۔ جو شرمیلے انداز سے دروازے میں داخل ہوتی تھیں۔ آپ کے یہاں آنے والوں میں بہت زیادہ عورتیں تھیں۔ میں نے

اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ اس وقت بھی نہیں جبکہ ایک صبح کو جیسے ہی کہ میں سکول جا رہی تھی میں نے ایک برقع پوش خاتون کو آپ کے کمرے سے باہر نکلتے دیکھا۔ میں تیرہ برس کی تھی اور اپنی نابلوغیت اور نشوان شباب کے اس زمانے میں اچھی طرح اس امر کو نہیں سمجھ سکی کہ وہ گہرا جذبۂ شوق جس کے ساتھ میں آپ کے افعال کا جائزہ لے رہی تھی دراصل محبت تھی۔

مگر میں اسی دن اور اس ساعت کو اچھی طرح جانتی ہوں جب میں نے جان بوجھ کر ارادی طور پر آپ کے حضور میں اپنا ہدیہ دل پیش کیا۔ میں ایک ہم مکتب کے ہمراہ ٹہلنے گئی تھی۔ اور ہم دونوں دروازے پہ کھڑیں گفتگو کر رہی تھیں۔ ایک موٹر آئی۔ بے چین انداز میں جو ہمیشہ میرے لئے مولا آویز رہا ہے آپ باہر کود آئے۔ اور اندر جانے کو ہو لئے ——— ایک فوری اندرونی جذبہ کی بنا پر میں نے بڑھ کر آپ کے لئے دروازہ کھولا۔ اسطرح میں آپ کے راستے میں آگئی۔ اور قریب قریب ہمارا تصادم ہو گیا۔ آپ نے میری طرف پر تپاک شفقت آمیز نظر سے دیکھا جو سب پہ چھائی ہوئی معلوم ہوئی۔ جو بالکل ایک محبت آمیز تھپکی کی مانند تھی۔ آپ خوش مزاجی سے میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ ——— ہاں خوش مزاجی سے۔ ...... اور بہت نرمی سے بلکہ اعتبار کے ساتھ کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ"

صرف اتنا واقعہ تھا مگر اس لمحہ سے اس فضا سے جب کہ آپ نے مجھے اسقدر لطف، اس قدر مہربانی سے دیکھا - میں آپ کی تھی - کچھ عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ تمام عورتوں کو دیکھنے کا آپ کا یہی طریقہ تھا - جن کا آپ سے کوئی تعلق ہو - مادہ پرستانہ اور دلکش نگاہ تھی - جو بیک وقت بغلگیر ہوتی ہوئی عریاں کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی - گویا وہ پیدائشی مصنوعی نگاہ تھی - غیر ارادی طور پر آپ ہر دکاندار لڑکی کو دیکھتے جو آپ کی کچھ خدمات بجالاتی - پھر اس ملازمہ کو جو آپ کے لئے دروازہ کھولتی. یہ بات نہیں تھی کہ آپ جان بوجھ کر ان سب عورتوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے - بلکہ دوسری صنف سے متعلق آپ کے جذبات آپ کی نظروں کو جب کبھی وہ کسی عورت پر پڑتیں حرارت اور سوچ میں تبدیل کراتے - تیرہ برس کی عمر میں مجھے اس بات کا کوئی خیال نہ تھا - مجھے ایسا محسوس ہوتا گیا گویا میں آگ کے شعلوں میں جل بھن رہی ہوں - مجھے یقین تھا کہ یہ لطف و مہربانی میرے لئے تھی، صرف میرے لئے - ایک لمحہ میں نابالغ لڑکی میں عورت جاگ اٹھی تھی - عورت جو ہمیشہ کے لئے صرف آپ ہی کی تھی -

"وہ کون تھا" میری ہم مکتب دوست نے مجھ سے سوال کیا - پہلے میں جواب نہ دے سکی - میرے لئے آپ کا نام ادا کرنا ناممکن تھا - وہ دفعتاً میرے لئے ایک متبرک چیز ہوگیا تھا - وہ میرا راز تھا - میں نے غیر شائستہ طریقے سے جواب دیا -

"وہ یہاں ہی ایک شخص ہے ، جو اس مکان میں رہتا ہے ۔"

مگر جب اس نے دیکھا تو تمہارے چہرے پر شرم سے اس قدر آتشیں سرخی کیوں دوڑ گئی تھی ؟

میری ہم مکتب نے ایک تجسّس اور بدظنی کے ساتھ سوال کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرا مضحکہ اڑا رہی ہے ۔ اور میرے راز کو پا چکی ہے ۔ اور اس احساس نے پہلے سے بھی زیادہ میرے چہرے پر سرخی دوڑا دی ۔ میں دانستہ طور پر اس سے بغیر شائستہ برتاؤ کر رہی تھی ۔

"بے وقوف پاگل"

میں نے غصے میں کہا ــــ اس وقت میں چاہتی تھی کہ اس کا گلا گھونٹ دوں ۔ وہ تمسخر انگیز انداز میں ہنسی ۔ یہاں تک کہ غصّہ کی لاچاری میں میری آنکھوں سے آنسو ڈبڈبا آئے ۔ میں دروازے میں اسے چھوڑ کر زینہ پر دوڑ گئی ۔

اس وقت سے مجھے آپ سے محبت ہے ۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ عورتوں سے یہ بات سننے کے عادی ہو چکے ہوں گے ۔ کہ وہ آپ سے محبت کرتی ہیں ۔ مگر مجھے یقین ہے کسی اور عورت نے آپ سے کبھی اسقدر غلامانہ محبت ، اس قدر کتّے کی سی وفاداری ، اتنی انسیت نہ کبھی ہو سکے گی ۔ اور کرتی ہوں ۔ ایک بچے کی غیر محسوس محبت کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کر سکتی ۔ وہ مایوس اور

تو شاعرانہ ہوتی ہے۔ وہ مشتعل اور پُرجوش ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسی چیز ہے جس کا مقابلہ بالغ عورت کی ہوسناک محبت، وہ محبت جو غیر شعوری طور پر عشرت جسمانی کی طالب ہے نہیں کر سکتی۔ صرف تنہا بچے ہی اپنے جذبہ کے حامل ہو سکتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو اوروں کی معیت میں ان کے جذبات کا بیجا اصراف کر دیتے ہیں۔ رازدارانہ گفتگوؤں میں ان کو منتشر کر دیتے ہیں۔ انہوں نے محبت کی بابت کچھ سنا اور پڑھا ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ محبت سب ہی کی ہوتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ ایک کھلونے کی طرح کھیلتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ اتراتے ہیں۔ جیسا کہ بچہ اپنے پہلے سگریٹ کے ساتھ مگر میرا کوئی رازدار نہ تھا۔ مجھے نہ کسی نے کچھ سکھایا تھا اور نہ کچھ آگاہ کیا تھا۔ میں ناتجربہ کار اور غیر متنبہ تھی۔ میں اپنی قسمت سے ملنے کے لئے دوڑی۔ وہ ہر شے جو مجھ میں متحرک تھی۔ وہ سب کچھ جو مجھ پر گزرا معلوم ہوتا تھا۔ اِن سب کا مرکز ثقل آپ ہیں۔ میرے ذہن میں آپ کے تصوّرات!

میرے والد کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا۔ میری والدہ سوائے اپنی مصیبتوں کے اور کسی بات کا خیال بھی نہیں کر سکتی تھی۔ سوائے اپنے مشکلات کے جو اس کو اپنی قلیل پنشن کے ساتھ تمام اخراجات پورے کرنے میں برداشت کرنی ہوتی تھیں اس لئے اس کے اور ایک بڑھتی ہوئی لڑکی کے جذبات میں بمشکل کوئی قدر مشترک تھا۔ میری ہم مکتب لڑکیاں جو نیم آگاہ یا نیم آوارہ تھیں، میری ہمدرد نہ تھیں۔

چونکہ ان کا نظریہ اس کے متعلق نحو تھا جو میرے اندر ابھر رہا تھا۔ اور جو میری عمر کی دوسری لڑکیوں میں منتشر ہو جاتا ہے اور ان سب کا مرکز نقل آپ ہی بن گئے تھے۔ آپ میرے لئے ایسے ہو گئے تھے جیسے ــــ کوئی تشبیہ میرے جذبات کی صحیح ترجمانی کر سکتی ہے! آپ میرے لئے میری تمام زندگی بن گئے تھے۔ میرے لئے کسی بات میں کوئی مفہوم نہ تھا۔ جب تک وہ آپ سے متعلق نہ ہو۔ آپ نے میرے لئے ہر شے کو بدل دیا تھا۔ اب تک میں اسکول میں لاپرواہ اور غیر ممتاز تھی۔ اب یکایک میں اوّل تھی۔ میں بہت دیر تک رات کو یکے بعد دیگرے کتابیں پڑھتی۔ چونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ کتابوں کے شائق ہیں۔ میں نے اپنی ماں کی مخالفت کے باوجود پیانو کی مشق شدت سے شروع کر دی۔ چونکہ میں نے خیال کیا کہ آپ کو موسیقی سے رغبت ہے۔ میں نے اپنے کپڑوں کو سیا۔ اور درست کیا۔ تاکہ وہ آپ کو دیکھنے میں اچھے معلوم ہوں۔ مجھے اس امر سے سخت تکلیف تھی کہ میری سکول کی پوشاک میں (جو میری ماں کی ایک بیرونی پوشاک سے کاٹ کر بنائی گئی تھی) ایک گول سوراخ ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ اس کو دیکھ نہ لیں۔ اور مجھ سے نفرت نہ کرنے لگیں۔ اس لئے جب میں زینہ پر آتی تھی تو اُسے اپنے بستہ سے چھپا لیتی تھی۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں آپ کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔ میں کسقدر بیوقوف تھی۔

آپ نے شاید پھر کبھی میری طرف نظر بھی نہ کی ہو۔

"تاہم میرے دن آپ کے انتظار میں آپ کی راہ دیکھنے میں گزر رہے تھے۔ سامنے کے دروازے میں ایک روزن تھا۔ اس میں سے آپ کا دروازہ دکھائی دیتا تھا۔ میرے محبوب! مجھ پہ ہنسئے! جسے آج بھی میں ان ساعتوں کے لیے منفعل نہیں۔ جو میں نے اس پوشیدہ روزن پہ بیٹھ کر صرف کیں۔ کمرہ برف کی طرح سرد تھا۔ اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں والد کے شبہات برانگیختہ نہ ہوں۔ مگر سہ پہر کی طویل ساعتوں میں ان مہینوں اور سالوں کے دوران میں میں وہاں کتاب لیے بیٹھی جھانکتی رہتی تھی۔ ستار کے تار کی طرح جوش سے پر اور تنی ہوئی بیٹھی رہتی۔ اور آپ کے قریب کے ہر لمس سے اس تار کی طرح مرتعش ہو جاتی، لرز اٹھتی۔ میں ہمیشہ آپ کے قریب تھی۔ اور ہمیشہ جوش خدمات سے پُر۔ ۔ ۔ ۔ مگر آپ مجھ سے اپنی جیب کی اس گھڑی کی کمانی سے زیادہ واقف نہ تھے جو ہر وقت آپ کے لیے صحیح وقت دیتی ہے۔ آپ کے ہر ہر قدم کا ساتھ اپنی غیر مسموع آواز دیتی ہے۔ اور جس پہ لاکھوں سیکنڈوں میں سے صرف کسی اور سیکنڈ کے لیے آپ کی نظر پڑ جاتی ہے۔ میں آپ کی بابت سب کچھ جانتی تھی۔ آپ کی عادتیں ― آپ کی ٹائیاں جو آپ پہنتے تھے۔ میں آپ کے اک اک سوٹ سے واقف تھی۔

جلد ہی میں آپ کے مستقل ملاقاتیوں سے واقف ہو گئی۔ اور ان میں سے بعض پسند کرتی اور بعض ناپسند۔ تیرہ برس کی عمر سے سولہ برس تک میری ہر ساعت آپ کی تھی۔ کون سی حماقتیں میں نے نہیں کیں؟ میں نے دروازے کے دستے کو بوسہ دیا۔ چونکہ آپ نے اسے چھوا تھا۔ میں نے سگریٹ کا وہ ٹکڑا اٹھا لیا جو آپ نے پھینک دیا تھا۔ اور وہ میرے لئے متبرک ہو گیا۔ چونکہ آپ کے لب اس پہ لگے تھے۔ شام میں سینکڑوں مرتبہ کسی نہ کسی بہانے سے بھاگ کر سڑک پہ یہ دیکھنے کے لئے جاتی کہ آپ کے کون سے کمرے میں روشنی جل رہی ہے۔ تاکہ میں آپ کی نظروں سے پوشیدہ آپ کی موجودگی کا پوری طرح شعور کر سکوں۔ ان ایام میں جب آپ گئے ہوئے تھے۔

جب کبھی میں جان کو آپ کا سامان زینہ سے نیچے لے جاتے دیکھتی مجھے ہمیشہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرے قلب کی حرکت بند ہو جائے گی۔ زندگی میرے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ انتہائی بے کیفی، بدمزاجی اور پریشانی کے عالم میں یہ نہ جانتے ہوئے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے میں گھومتی پھرتی اور مجھے احتیاط برتنا پڑتی کہ کہیں میری آنسوؤں سے ڈبڈباتی ہوئی آنکھیں والدہ پہ میرا یاس والم منکشف نہ کر دیں۔

میں جانتی ہوں کہ جو کچھ یہاں لکھ رہی ہوں۔ وہ انبار ہے۔ انتہائی حماقتوں

کا، ایک لڑکی کی فضول خرچی سے صرف کیے ہوئے جذبات کا۔ مجھے ان پہ منفعل ہونا چاہیے تھا۔ مگر میں منفعل نہیں ہوں۔ چونکہ میری اُلفت جتنی اس وقت شدید تھی جتنی اس وقت پاکیزہ تھی۔ شاید کبھی نہ تھی۔ میں متواتر گھنٹوں ——— دنوں تک ——— میں آپ کو یہ نہیں بتا سکتی کہ میں نے کس طرح آپ کے ساتھ زندگی بسر کی۔ گو آپ مجھے دیکھ کر پہچانتے بھی نہ ہوں۔ بیشک آپ مجھے نہیں جانتے۔ کیونکہ اگر کبھی میں آپ سے زینہ پہ ملی اور آمنا سامنا ہونے سے نہیں بچ سکی۔ تو میں آپ کی مشتعل نگاہوں کے خوف سے سر جھکا کر بھاگتی ——— ایک ایسے شخص کی طرح بھاگتی جو جھلس جانے سے بچنے کے لئے پانی میں کود رہا ہو۔ متواتر گھنٹوں، مہینوں تک ان تماشوں کا ذکر آپ کو سنا سکتی ہوں جو آپ مدت ہوئی بھول چکے ہوں گے۔ میں اپنی حیات کی تمام روداد سنا سکتی ہوں۔ مگر میں تفصیل پیش کر کے آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی۔ میں صرف ایک اور بات آپ کو بتانا چاہوں گی جس کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے اور جو میرے بچپن کا سب سے پُر شوکت تجربہ ہے۔ آپ کو مجھ پہ ہنسنا نہیں چاہئیے۔ چونکہ آپ اسے نہایت ہی معمولی واقعہ تصور کریں گے میرے لئے یہ غیر محدود اہمیت کا حامل تھا۔

یہ شاید اتوار کا دن تھا۔ آپ گئے ہوئے تھے۔ اور آپ کا ملازم دروازہ

ہیں سے فرش کو گھسیٹ کر اندر لا رہا تھا۔ جس کو وہ جھاڑ چکا تھا۔ وہ فرش تنہا اس کے لئے بہت بھاری تھا۔ لہٰذا ہمت کر کے میں نے اس سے پوچھا کہ اس کام میں اسکی مدد کر سکتی ہوں۔ اسکو تعجب ہوا مگر اس نے انکار نہ کیا۔ کیا میں کبھی بھی آپ کو یہ سمجھانے کے قابل نہ ہو سکوں گی۔ کہ کس قدر تعظیم و تکریم کس قدر ادب و احترام کے جذبات کے سامنے میں نے آپ کے کمرے میں قدم رکھا۔ اور آپ کی دنیا دیکھی ——— آپ کے لکھنے کی میز جہاں پہ بیٹھا کرتے تھے۔

——— وہاں نیلگوں بلوریں گلدان میں کچھ پھول رکھے تھے۔ تصویریں اور کتابیں، میں نے صرف ان پہ ایک جھجکتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ حالانکہ اگر مجھ میں جان سے کہنے کی ہمت ہوتی تو شاید وہ مجھے ان چیزوں کو اچھی طرح دیکھنے کی اجازت دے دیتا۔ مگر میرے لیۓ اتنا ہی کافی تھا کہ میں۔۔ اپنی ہستی میں اس ماحول کو جذب کر لوں۔ اور اس طرح جاگتے میں اپنے لیۓ آپ کی مختصر تصویروں اور خوابوں کا نیا سامان مہیا کر لوں۔

یہ تیزی سے گزر جانے والا لمحہ میرے بچپن کا سب سے زیادہ خوش آئند لمحہ تھا۔ میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتی ہوں تاکہ آپ جان سکیں کہ کسطرح میری زندگی آپ کی حیات سے ہمکنار رہتی۔ میں چاہتی تھی کہ اس لمحہ اور اس کے بعد آنے والی مہیب ساعت کی روداد آپ کو سنادوں جیسا کہ میں بیان کر چکی ہوں۔ آپ

کے تصورات نے میرے ذہن سے تمام دوسرے خیالات کو یکسر محو کر دیا تھا۔ مجھے اپنی والدہ کی حرکات و سکنات اور اپنے گھر آنے والے ملاقاتیوں کا ہوش نہ تھا۔ میں نے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ ایک معمر شخص جو انسبرگ کا تاجر تھا اور میری ماں کا ایک دور کا عزیز تھا اکثر آتا اور بہت دنوں تک ٹھہرا کرتا۔ میں خوش ہوتی کہ وہ اکثر والدہ کو تھیٹر لے جاتا۔ چونکہ اس طرح میں تنہا رہ جاتی۔ میں آپ کا تصور کرتی رہتی۔ اور کوئی اس کو درہم برہم نہ کرتا۔ میں جھانکتی رہتی جو میرا محبوب مشغلہ میری مسرت کا خاص تنہا ذریعہ تھا۔ اور کوئی خلل انداز نہ ہوتا۔ مگر ایک دن میری ماں نے مجھے کچھ رسمی تکلف کے ساتھ یہ کہکر بلوایا کہ اسے مجھ سے ایک خاص بات کہنی ہے۔ میں زرد پڑ گئی۔ میں نے اپنے قلب کی دھڑکن شدت سے محسوس کی۔ کیا اسے کچھ شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ کیا اس طرح میں اپنے راز کا انکشاف کر بیٹھی تھی۔ مجھے سب سے پہلے آپ کا خیال آیا۔ اپنے راز کا اس کا جو مجھے زندگی سے وابستہ کئے ہوئے تھا۔ مگر میری ماں خود گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ مجھے کبھی بوسہ نہیں دیتی تھی۔ مگر اس وقت اس نے مجھے محبت سے متعدد بار پیار کیا۔ اپنے پاس صوفے پر گھسیٹ لیا۔ اور کچھ جھجکتے ہوئے شرم آمیز لہجہ میں بتانے لگی کہ اس کے عزیز نے جس کی بیوی مر چکی تھی اس سے شادی کی درخواست کی ہے۔ اور محض میری وجہ سے یہ درخواست قبول کر لی ہے۔ میں تشویش و تردد کی شدت سے کانپنے لگی۔

میرے ذہن میں ایک ہی خیال تھا "آپکا خیال ؟ ہم یہیں رہا کریں گے کیوں نہ ؟
میں نے کوشش کرکے سوال پوچھا

" نہیں ہم آئسبرگ جا رہے ہیں ۔ جہاں فرزی نہد کا ایک عمدہ بنگلہ ہے ۔ میری آنکھوں کے سامنے کی دنیا تاریک ہوگئی ۔ بعد کو مجھے یہ معلوم ہوا کہ میں بے ہوش ہوگئی تھی ۔ میں نے گھٹ کر اپنے ہاتھ پکڑ لئے اور سیسے کے بے جان ٹکڑے کی طرح زمین پر گر پڑی ۔ میں نہیں بتا سکتی کہ اس کے چند دنوں تک مجھ پر کیا کیا گزر گئی ۔ کسطرح میں نے ایک کمزور بچے کی طرح طاقتور بزرگوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ۔ اس وقت بھی جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو میرے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں ۔ اس لئے میری مخالفت ایک چڑچڑے مزاج کی ضد سمجھی گئی ۔ کسی نے مجھے اور کچھ نہیں بتایا ۔ میری لاعلمی میں تمام انتظامات کر لئے گئے ۔ یہ کام اس دوران میں ہوتا تھا جب میں سکول میں ہوتی تھی ۔ ہر دفعہ جب میں گھر میں واپس آتی کوئی نہ کوئی نئی چیز یا تو غائب ہوتی یا فروخت کی جا چکی ہوتی ۔ میرا شیرازہ حیات بکھر اجا رہا تھا ۔ اور آخر کار ایک روز جب میں واپس آکر کھانے پر بیٹھی تو فرنیچر ہٹانے والوں نے کمرہ خالی کر دیا تھا ۔ میرے خالی کمرے میں کچھ بند کئے ہوئے بکس اور میرے اور والدہ کے لئے دو سفری بستر رکھے ہوئے تھے ۔ ہمیں وہاں صرف ایک رات اور سونا تھا ۔ اور اس کے

بعد انسبرگ جانا تھا۔

اس آخری دن ۔۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ سوائے آپ کے قرب کے اور کہیں نہیں رہ سکتی ۔ آپ میرے لئے تمام دنیا تھے ۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ میں اس وقت کیا سوچ رہی تھی ۔ کہ اس لمحہ حرمان و یاس میں میرے لئے کیا سوچنا ممکن بھی تھا ———— میری والدہ گھر سے باہر گئی ہوئی تھی ۔ اسکول کی پوشاک میں جلدی میں بیٹھی ہوئی تھی ———— ویسی میں کھڑی ہو گئی ۔ اور آپ کے دروازے تک گئی ———— پھر بھی کہنا مشکل ہے کہ میں گئی ۔ معلوم ہوتا تھا کہ بے لوچ اور سخت اعضاء اور کانپتے ہوئے جوڑوں کے ساتھ گویا ایک مقناطیسی قوت سے آپ کے دروازے کی طرف کھینچی جا رہی تھی ۔ میں نے سوچا تھا کہ اپنے آپ کو آپ کے قدموں میں ڈال دوں گی اور التجا کروں گی کہ آپ مجھے ایک ملازمہ کی طرح ، ایک غلام کی طرح رکھ لیں ۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ پندرہ برس کی ایک لڑکی کے اس جذبۂ جنون پر شرپہ ہنسینگے ۔ مگر شاید آپ نہ ہنسیں ۔ اگر آپ سمجھ سکیں کہ میں کسطرح آپ کے کمرہ کے سرد فرش پر خوفزدہ اور بے حس و حرکت کھڑی تھی ۔ اور پھر کوئی ناقابل مزاحمت اور ناقابل مقاومت قوت تھی جو مجھے آگے کی طرف دھکیل رہی تھی ۔ کسطرح باوجود میری کوشش کے میرا ہاتھ اٹھا اٹھ جاتا تھا ۔ یہ کشمکش کچھ غیر مختتم ہیتناک لمحوں تک جاری تھی ۔ اور پھر

میں نے دروازے کی گھنٹی بجائی ۔ اس کی تیز آواز اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے ۔ اس کے بعد خاموشی تھی ۔ جیسے میرے قلب کی حرکت قریب قریب رُک گئی ۔ میرا دوران خون بند ہو گیا ۔ اور میں نے کوشش نہیں کی کہ آپ کے آنے کی آواز سنوں ۔ (کہ آپ کے آنے کی آہٹ سنوں)

مگر آپ نہیں آئے ۔ کوئی نہیں آیا ۔ اس سہ پہر کو آپ کہیں گئے ہو نگے اور جان بھی کہیں گیا ہو گا ۔ گھنٹی کی گونج کا اثر اپنے کانوں میں لئے ہوئے میں چپکے سے اپنے خالی مکان میں آئی ۔ اور چند قدموں کی مسافت سے چور چور ہو کر میں ایک کمبل پر گر پڑی ۔ گویا میں گھنٹوں برف میں بدقت چل کر آئی ہوں ۔ لیکن پھر بھی اس سے پہلے کہ لوگ مجھے یہاں سے لے جائیں ۔ ——————

آپ سے بات کرنے کا عزم اب بھی فروزاں تھا ۔ میں آپ کو یقین دلا سکتی ہوں کہ اس وقت میرے ذہن میں کوئی ہوس کا جذبہ نہ تھا ۔ میں اب تک ناواقف تھی ۔ چونکہ میرے تخیل و تصور میں سوائے آپ کے اور کسی بات کی گنجائش نہ تھی ۔ میری صرف خواہش یہ تھی کہ جانے سے پیشتر آپ کو ایک دفعہ پھر دیکھ لوں ۔ ایک دفعہ آپ سے لپٹ جاؤں ۔ میں اس تمام مہیب رات آپ کا انتظار کرتی رہی ۔ ماں کے سوتے ہوئے میں چپکے سے بڑے کمرے میں گئی کہ وہاں سے واپس آنے کی آواز سن لوں گی —————— میرے اعضاء

میں مر رہی تھی۔ اور وہاں کوئی کرسی تک نہ تھی جس پہ میں بیٹھ سکتی۔ لہٰذا میں زمین پر بیٹھ گئی۔ اور دروازے سے نیچے سے آنے والی ہوائیں تازیانوں کی طرح مجھے تکلیف پہنچاتی رہیں۔ اپنے باریک کپڑوں میں بغیر کچھ اوڑھے میں وہاں پڑی رہی۔ میں گرم ہونا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں سو نہ جاؤں۔ اور اسطرح آپ کے قدموں کی چاپ نہ سن سکوں۔ خوفناک تاریکی میں وہاں اسقدر خنکی تھی کہ میرا جسم اکڑ گیا۔ بار بار مجھے کھڑا ہو جانا پڑا۔ مگر میں انتظار کرتی رہی۔ اپنی قسمت کی طرح آپ کا انتظار کرتی رہی۔

آخرکار (اسی وقت رات کے دو بجے کا وقت ہو گا) میں نے دروازہ کھلنے کی آواز اور زینہ پہ قدموں کی چاپ سُنی۔ سردی کا احساس مٹ گیا۔ اور گرمی کی ایک رو میرے جسم میں دوڑ گئی۔ میں نے خاموشی سے دروازہ کھولا کہ میں باہر بھاگ جاؤں قبل کہ میں اپنے آپ کو آپ کے قدموں پہ ڈال دوں .... میں نہیں کہہ سکتی کہ میں اس جذبۂ جنوں نواز میں کیا کچھ نہ کر گزرتی ———— قدموں کی آواز قریب آ گئی۔ ایک شمع جھلملائی — کانپتے ہوئے میں نے دروازہ کا دستہ دیکھا۔ کیا یہ آپ تھے۔ جو زینہ پر چڑھ رہے تھے؟

ہاں! میرے محبوب، آپ ہی تھے۔ مگر آپ تنہا نہ تھے۔ میں نے ایک لطیف تبسم۔ سلک کی سرسراہٹ اور آہستہ آہستہ کسی سے آپ کی گفتگو سنی۔ آپ کے

ہمراہ ایک عورت تھی ——————— !

میں نہیں کہہ سکتی کہ میں رات کے اس بقیہ حصہ میں کسطرح زندہ رہی ۔ دوسرے دن صبح آٹھ بجے وہ مجھے انسبرگ لے گئے ۔ مجھ میں مدافعت کی قوت نہ تھی ۔

میرا بچہ کل رات مر گیا ۔ اور اگر واقعی مجھے ابھی کچھ اور زندہ رہنا پڑا تو میں بالکل تنہا رہ جاؤں گی ۔ کل بھدے ۔ کالے کپڑوں میں ملبوس اجنبی لوگ آئیں گے اور وہ اپنے ہمراہ میرے اکلوتے بچے کے لئے تابوت لائیں گے ۔ غالباً دوست و احباب بھی ہار لے آئینگے ——— مگر تابوت پر پھول ڈالنے سے فائدہ ؟ وہ مختلف طریقوں سے تسلّی دینگے :۔ الفاظ ! الفاظ !! الفاظ !!! کیا کر سکتے ہیں ۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ میں بالکل تنہا رہ جاؤنگی ۔ انسانی آبادی میں تنہا رہنے سے ہیبتناک اور کوئی بات نہیں ۔ یہ وہ بات ہے جو میں نے انسبرگ میں سولہ برس سے اٹھارہ برس تک کی عمر کے دوران میں ——— ان نہ ختم ہونے والے دو سال کے دوران میں سیکھی تھی ۔ جب میں اپنے لوگوں کے ہمراہ ایک قیدی ایک بیکس کی طرح زندگی بسر کر رہی تھی ۔ میرا سوتیلا باپ جو ایک خاموش طبیعت ، کم سخن آدمی تھا ، مجھ پر مہربان تھا ۔ میری ماں اس خیال سے کہ شائد میرے ساتھ جو غالباً نادانستہ نا انصافی کی گئی ہے اس کا کفارہ ادا کر سکے ۔ میری تمام خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تیار تھی ۔ میرے ہمعمر مجھ سے دوستی کرنے کے خواہشمند تھے ۔

مگر میں نے ان کی ہر پیش قدمی کو اپنی برہم مدافعت سے ادا کر دیا۔ میں مغرور رہنا نہیں چاہتی تھی۔ میں آپ سے دور ہو کر مطمئن ہونا نہیں چاہتی تھی۔ لہٰذا میں نے اپنے آپ کو ذاتی اذیت اور تنہائی کی تاریک و مغموم دنیا میں دفن کر دیا۔ میں نئی اور چمکیلی پوشاکیں نہیں پہنتی تھی جو وہ میرے لئے خریدتے تھے۔ میں نے نغمہ و سرود کی محفلوں اور تھیٹروں میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اور میں سیر و سیاحت کے پر لطف سفروں میں حصہ بھی نہ لیتی تھی۔ میں بہت کم گھر سے نکلتی تھی۔ کیا آپ یقین کریں گے۔ اگر میں آپ کو بتا دوں کہ میں اس چھوٹے سے شہر کی جہاں میں پورے دو برس رہی ایک درجن لڑکیاں بھی نہیں جانتی۔ رنج و غم ہی راحت کا ذریعہ تھے۔ میں نے سوسائٹی اور اس کے ہر لطف کو ترک کر دیا تھا اور میں ان مصائب کو پُر مسرت سمجھ کر مخمور تھی۔ جو مجھ پہ اس مصیبت کے علاوہ ٹوٹ رہے تھے۔ میں آپ کو نہ دیکھ سکتی تھی۔ میں صرف آپ کی ہو کر زندہ رہنا چاہتی تھی اور یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی شے میری حیات ــــ گھڑیوں اور دنوں میں تقسیم کرے۔ ــــــــ صرف آپ کا تصور کئے بیٹھی رہتی۔ آپ سے وابستہ سینکڑوں باتوں کی یاد میرے دماغ میں تازہ ہوتی۔ ہر لمحہ اور ہر وقت میں آپ کا از سر نو انتظار کرنے لگتی۔ اور اپنے دماغ کے تھیٹر میں ان باتوں کو دہرائی رہتی۔ بچپن کے اس زمانے کی یاد کا جس کا آغاز اس دن سے ہوتا ہے جب آپ میری زندگی میں آئے۔ ـــــــــ

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے ذہن میں اس قدر آعادہ ہو چکا ہے کہ اس کی تمام تفصیلات میرے ذہن میں محفوظ ہیں ۔ اور میں ان گزرے ہوئے سالوں کا ایک ایک لمحہ پھر یاد کر سکوں ۔ گویا کہ یہ سب کچھ کل کی بات ہے۔

اسطرح میری زندگی اب بھی تمام تر آپ پر مرکوز تھی ۔ میں نے آپ کی تمام کتابیں خرید لیں تھیں ۔ اگر اخبار میں کہیں آپ کا نام مذکور ہوتا ۔ تو وہ دن میری مسرت کا دن ہوتا ۔ کیا آپ یقین کرینگے اگر میں آپ کو بتا دوں کہ میں نے آپ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی کتابیں اس قدر زیادہ پڑھی ہیں کہ وہ سب مجھے حفظ یاد ہیں۔ اگر کوئی رات کو مجھے سونے سے جگا کر ان میں سے کہیں کا کوئی جملہ سنا دے تو میں آج بھی پورا حصہ بغیر رکے بغیر ہچکچائے ہوئے تیرہ برس گزر جانے کے بعد بھی سنا سکتی ہوں ۔ آپ کا ہر لفظ میرے لئے الہام ربانی تھا ۔ میرے لئے دنیا کا وجود صرف آپ کے تعلق سے تھا ۔ میں ویانا کے اخباروں میں نغمہ و سرود کی محفلوں اور پہلی راتوں کی رپورٹیں پڑھتی اور حیرت سے سوچتی کہ آپ کس میں سب سے زیادہ دلچسپی لی ہو گی ۔ جب شام ہوتی ۔ میں تصور میں آپ کے ساتھ یہ کہکر ہو لیتی " اب وہ کمرے میں داخل ہو رہے ہیں ۔ اب وہ اپنی جگہ پر بیٹھ رہے ہیں ۔ یہ تھے میرے ہزاروں دفعہ کے خیالات ۔ صرف اس لئے کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کو ایک نغمہ و سرود کی محفل میں دیکھا تھا ۔۔۔

مگر میں یہ باتیں کیوں یاد کروں ؟ کیوں ایک محروم و بے کس بچی کی مغموم و المناک مایوسی کو یاد کروں ؟ میں آپ کو یہ کیوں بتا دوں آپ کو جنہیں کبھی خواب میں بھی میری اس مداحی، میرے اس سوز و غم کا خیال نہیں آیا؟ مگر کیا میں اب تک بچہ تھی؟ میں سترہ سال کی تھی۔ نوجوان سڑکوں پہ مجھے مڑ مڑ کر دیکھتے۔ مگر وہ میری برہمی میں اور اضافہ کر دیتے۔ کسی اور شخص سے محبت کرنا کسی اور شخص کی محبت کے خیال سے کھیلنا بھی میرے لئے یکسر ناممکن تھا۔ یہاں تک کہ کسی اور کا ہدیہ محبت بھی مجھے جرم معلوم ہوتا تھا۔ آپ کی محبت کا جذبہ میرے دل میں اتنا ہی شدید رہا۔ صرف اُس کی حالت میں تبدیلی ہوئی۔ اور جیسے جیسے میرے جسم کی نشو و نما ہوتی گئی میرے حواس جاگتے گئے۔ ویسے ویسے یہ جذبہ زیادہ عمیق، زیادہ حادی اور ظاہر اطوار پہ ایک بالغ عورت کی محبت میں تبدیل ہو گیا۔ وہ بات جو لاعلم معصوم بچی اور اس لڑکی کے خیالات سے پوشیدہ تھی جس نے آپ کے دروازے کی گھنٹی بجائی تھی۔ اور اب وہی میری تمام تر آرزو تھی۔ میں اپنی ہستی آپ کو سونپ دینا چاہتی تھی۔

میرے ساتھیوں کو یقین تھا کہ میں باحیا اور شرمیلی ہوں۔ مگر میں اپنا مقصد قطعی طور پہ متعین کر چکی تھی۔ میری تمام ہستی ایک نقطہ پہ مرکوز تھی۔ کہ میں دوبارہ واپس آؤں۔ آپ کے پاس واپس آؤں۔ میں اپنی خواہش کو

پورا کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ گو دوسروں کے نزدیک میرا یہ فعل غیر معقول اور ناقابلِ فہم تھا۔ میرا سوتیلا باپ آسودہ آدمی تھا اور مجھے اپنی لڑکی کی طرح رکھتا تھا مگر میں نے زور دیا کہ میں اپنے معاش کا انتظام خود کروں گی اور آخر کار اس پر راضی کر لیا۔ کہ میں وائنا واپس آکر درزی کی ایک بڑی دکان پر جو اس کے کسی عزیز کی تھی۔ ملازم ہو جاؤں۔

کیا اب بھی مجھے بتانے کی ضرورت ہے۔ کہ جب میں بالآخر وائنا واپس آئی۔ تو خزاں کی اس شام کو جب ہوا میں گھر کا اثر تھا۔ میرے قدم پہلے مجھے کہاں لے گئے؟ کپڑوں کے کمرے میں میں نے اپنا عکس چھوڑا۔ اور ایک ٹرام وے کی طرف دوڑی۔ وہ کس قدر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس کا ہر دفعہ رکنا میرے لئے نئی پریشانی کا باعث تھا۔ آخر میں اس گھر تک پہنچ گئی میرا دل اچھلنے لگا جب میں نے آپ کے کمرے میں روشنی دیکھی۔ وہ شہر جو مجھے اب تک اس قدر اجنبی اور بھیانک معلوم ہو رہا تھا۔ دفعتاً پر رونق سا نظر آنے لگا۔ میں خود ایک دفعہ زندہ ہو گئی۔ چونکہ اب میں آپ کے نزدیک تھی۔ آپ سے جو میری زندگی کا غیر مختتم خواب ہیں۔ جب آپ کے اور میری اوپر کو اٹھتی ہوئی نگاہ کے درمیان صرف شیشے کا ایک چمکدار پتلا سا ٹکڑا تھا تو میں یہ حقیقت بالکل بھول گئی کہ میں آپ کے ذہن اور آپ کی یاد سے بہت دور ہوں۔ گویا میں پہاڑوں اور وادیوں

اور دریاؤں نے بیچ میں حائل ہو کر جدا کر دیا ہے۔ میرے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ میں آپ کی کھڑکی کو دیکھتی رہوں۔ اس میں روشنی تھی۔ وہ آپ کی قیامگاہ تھی۔ آپ وہاں تھے۔ وہ میری دنیا تھی۔ دو برس سے میں اس ساعت کا خواب دیکھ رہی تھی۔ اور اب وہ ساعت آگئی تھی۔ اس خوشگوار شام کو جب آسمان پہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور آپ کی کھڑکیوں کے سامنے کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ روشنی بجھ گئی۔ اس وقت سے پہلے میں نے اپنا مکان تلاش نہیں کیا۔ ہر شام کو میں اسی طرح آتی۔ چھ بجے تک میں کام کرتی۔ کام سخت تھا۔ پھر بھی مجھے مرغوب تھا۔ چونکہ شور و دم کا شور و شغب میری ذہنی و قلبی ہیجان کو چھپائے ہوئے تھا۔ جیسے ہی کہ دروازے بند ہونے میں اپنے محبوب مقام پہ دوڑ آتی۔ میری تمام تر خواہش یہ تھی کہ آپ کو ایک دفعہ اور دیکھ لوں۔ آپ سے صرف ایک دفعہ مل لوں۔ صرف دور سے۔ آپ کے چہرے کو اپنی نظروں میں جذب کر لوں۔ آخر کار ایک ہفتے کے بعد میں آپ سے ملی۔ وہ ملاقات محض اتفاقیہ ہو گئی۔ میں کھڑی ہوئی آپ کی کھڑکی کو تک رہی تھی کہ آپ سڑک کے اس پار سے آئے۔ ایک لمحہ میں میں پھر بچہ تھی۔ وہی تیرہ برس کی لڑکی۔ حالانکہ مجھے آپ سے نظریں چار کرنے کا اشتیاق تھا۔ میں نے اپنا سر جھکا لیا۔ اور آپ کے قریب سے تیزی سے آگے بڑھی۔ جیسے کوئی میرا تعاقب کر رہا تھا۔ بعد کو مجھے اس طریقہ سے اسکول کی

لڑکی کی طرح بھاگ جانے سے شرم آئی۔ چونکہ مجھے احساس تھا کہ میں واقعی کیا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ آپ سے ملوں۔ میں چاہتی تھی کہ ان تھکا دینے والے برسوں کے بعد آپ مجھے پہچان لیں۔ آپ مجھے دیکھیں مجھ سے محبت کریں۔

بہت عرصہ تک آپ نے مجھے نہیں دیکھا۔ حالانکہ میں روز آپ کے مکان کے سامنے کھڑی ہوتی تھی۔ چاہے برف پڑتی ہو چاہے وائنا کے موسم سرما کی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوں۔ اکثر اوقات میں کسی نتیجے کے گھنٹوں انتظار کرتی۔ اکثر بعد میں آپ کسی دوست کے ہمراہ گھر چھوڑ کر چلے جاتے۔ دو مرتبہ میں نے آپ کو ایک عورت کے ساتھ دیکھا اور یہ حقیقت کہ اب مجھ میں "عورت" جاگ چکی تھی۔ اور آپ کے متعلق میرے جذبات کچھ نئے کچھ مختلف تھے۔ مجھ پہ اسطرح واضح ہوئی کہ جب میں نے آپ کو ایک غیر اجنبی عورت کے ساتھ نہایت اعتماد کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پھرتے دیکھا تو دفعتاً میں نے دل میں ایک شدید کرب ایک گہری چبھن محسوس کی۔ یہ میرے لئے کوئی نئی اور تعجب انگیز بات نہ تھی۔ چونکہ بچپن ہی سے میں نے دیکھا تھا کہ اس قسم ملاقاتی آپ کے گھر آتے ہیں مگر اس منظر نے مجھے ایک شدید جسمانی اذیت پہنچائی۔ میرے دل میں دشمنی اور شوق کا ایک مشترک جذبہ تھا۔ جب میں نے ایک اور عورت سے جسمانی تعلقات کی یہ بیّن و ظاہر مثال دیکھی ایک دن مغرور جوانی سے مجبور ہو کر جس کا اضطراب بھی مجھ میں

باقی ہے ہیں ایک معمول کے مطابق آپ کے مکان کے سامنے نہیں گئی۔ مگر مدافعت اور ترک علائق کی یہ سنسان شام کس قدر بھیانک تھی۔ دوسرے دن نہایت عجز و نیاز کے ساتھ میں معمول کے مطابق آپ کی کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ اور منتظر تھی جیسے کہ آپ کی ناقابل رسائی اور مسرور زندگی کے سامنے میں ہمیشہ منتظر رہی ہوں۔

آخر کار وہ وقت بھی آیا جب آپ نے مجھے دیکھا۔ میں نے دور ہی سے آپ کو آتے ہوئے دیکھا۔ اور اپنی تمام طاقت کو مجتمع کر کے یہ عزم کیا کہ میں آپ کے راستے سے نہیں ہٹوں گی۔ اتفاق یہ ہوا کہ شراب کے ایک بھرے ہوئے ٹرک سے سڑک رک گئی۔ اس لئے آپ کو بالکل مجھ سے قریب ہو کر گزرنا پڑا۔ غیر اختیاری طور پر آپ کی نظریں مجھ پر پڑیں۔ اور فوراً ہی اگرچہ ابھی آپ نے میرے چہرے کی دلکشی اور دلآویزی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ آپ کے چہرے پہ ایک ایسی کیفیت طاری ہوگئی جس کے ساتھ آپ عورت کو دیکھنے کے عادی تھے۔ بجلی کی ایک رو کی طرح وہ پچھلی یاد میرے جسم میں سرایت کر گئی ——

آپ کی اس تپاک اور دلکش نظر کی یاد جو بیک وقت نبلگیر ہوتی بھی معلوم ہوتی تھی۔ اور عریاں ساز بھی۔ جس سے برسوں پیشتر آپ نے ایک لڑکی کو جگا کر عورت اور عاشق بنا دیا تھا۔ ایک یا دو لمحہ تک آپ کی نظریں مجھ پہ جمی

رہیں اور اس وقفہ کے دوران میں میں اپنی نظریں بھی نہ ہٹا سکی ۔ اور پھر آپ گزر گئے ۔ میرا دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ مجھے اپنی رفتار ہلکی کر دینی پڑی ۔ اور جب ایک اندرونی خواہش سے مجبور ہو کر میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ کھڑے ہوئے تھے ۔ آپ کے چہرے کی رازجویانہ اور استفسارانہ دلچسپی نے مجھے یقین دلایا کہ آپ نے مجھے نہیں پہچانا ۔ آپ نے مجھے اس وقت اس کے بعد بھی نہیں پہچانا ۔ میں کس طرح بتاؤں کہ مجھے اس سے کس قدر مایوسی ہوئی ۔ یہ کس قسم کی مایوسیوں میں پہلی مایوسی تھی ۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب مجھے وہ بات برداشت کرنی پڑی ۔ جو ہمیشہ میری قسمت میں رہی ۔ آپ نے کبھی نہیں پہچانا ۔ مجھے یوں ہی آپ کے بغیر پہچانے ہوئے ہی مرنا ہوگا ۔ آہ ! میں اتنی یاس و حزن کی کیفیت کس طرح آپ کو سمجھاؤں ۔ اس زمانے کے دوران میں جو میں نے انسبرگ میں گزارا ۔ میں کبھی آپ کے خیال سے خالی نہیں رہی ۔ دنیا میں ہماری دوسری ملاقات ہمیشہ میرے ذہن میں رہی ۔ میرے تخیلات میری کیفیت مزاج کے ساتھ بدلتے رہے ۔ کبھی ایک پُر مسرت انجام کے امکانات کا تصور مجھے خوش کر دیتا ۔ اور کبھی نامرادی کا خیال مغموم ——— ہر قابل قیاس تبدیلی میرے ذہن میں واقع ہوئی ۔ اکثر ملول و غمگین لمحات میں خیال ہوتا تھا کہ آپ مجھے بیکار سمجھ کر سادہ دل سمجھ ، یا مبہم و ضدی خیال کر کے جھڑک دینگے ۔ نفرت کرنے لگیں گے ۔ میں نے بے رخی اور بے توجہی کا ہر ممکن تصور کر لیا تھا ۔ مگر یاس و حزن

کے انتہائی مدارج میں بھی اپنی ہستی کو حد درجہ ہیچ و پوچ سمجھ لینے کے باوجود بھی میں اس مکروہ ترین امکان کو بھی اپنے ذہن میں جگہ نہ دے سکتی تھی۔ آپ میری ہنسی سے کبھی آگاہ نہ ہوئے۔ اب میں سمجھ گئی ہوں (آپ ہی نے مجھے سکھایا) کہ ایک آدمی کے لئے ایک لڑکی یا ایک عورت کا چہرہ غیر معمولی طور پر متغیر پذیر ہونا چاہئے۔ وہ کیفیات مزاج کے عکس کے سوا کچھ نہیں جو اس قدر تیزی سے گزرتی ہیں۔ جیسے آئینہ سے عکس — مرد ایک عورت کے چہرے کو نہایت آسانی سے بھول سکتا ہے کیونکہ عمر اس چہرے میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہے اور مختلف اوقات میں پوشاک مختلف گردو پیش اور مختلف ماحول پیدا کر دیتی ہے۔ عورت کی جتنی معلومات بڑھتی جاتی ہیں وہ توکّل و قناعت تسلیم و نیاز سیکھتی جاتی ہے۔ مگر میں جو ہنوز لڑکی تھی، ابھی آپ کی بھول کو سمجھنے کے قابل نہ تھی۔ جس وقت سے کہ میں آپ سے واقف ہوئی تھی میرا ذہن آپ کے تصوّرات کا گنجینہ رہا تھا۔ اور اس نے مجھ پہ ایک غلط خیال ثابت کر دیا تھا کہ آپ بھی اکثر میری بابت سوچتے ہونگے اور میرے منتظر ہونگے۔ میں زندگی کے بار کو کسی طرح اٹھا سکتی۔ اگر میں نہ سمجھ لیتی کہ میں آپ کے نزدیک نہ ہونے کے برابر ہوں۔ میرے لئے آپ کے حافظہ و یادداشت میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسی شام کو آپ کی نگاہوں نے بتا دیا کہ اس طرف کوئی ادنیٰ ترین تعلق بھی ایسا نہ تھا جو مجھے آپ کی زندگی سے منسلک و وابستہ کر دیتا۔ پہلی دفعہ میں حقیقت کی تلخی میں غرق ہوئی۔ پہلی دفعہ میں نے

اپنی تقدیر کے اشارہ کو سمجھا۔

آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ دو روز بعد جب ہم دونوں سڑک پہ پھر ملے۔ اور آپ نے بے تکلفی پیدا کرنے کی کوشش کرنیوالی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ تو آپ نے اس لڑکی کو پہچان کر ایسا نہیں کیا تھا جو اتنی مدّت سے آپ سے محبّت کرتی تھی۔ اور جس میں آپ نے "عورت" کو جگا دیا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اس اٹھارہ برس کی خوبصورت لڑکی کا چہرہ پہچان لیا تھا جس سے دو روز قبل آپ اسی جگہ شام کو ملے تھے۔ آپ کے چہرے کے انداز میں استعجاب کی ایک مرغوب پسندیدہ جھلک تھی۔ اور آپ کے ہونٹوں پہ ایک تبسم رقص کر رہا تھا۔ پہلے کی طرح آج بھی آپ نے اپنی رفتار ہلکی کر دی۔ میں لرزہ بر اندام تھی۔ میری خواہش تھی کہ آپ مجھ سے بات کریں۔ میں نے اس وقت پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ میں آپ کے لئے زندہ ہوں۔ میں بھی آہستہ آہستہ چلی اور آپ سے بچنے کی کوشش نہیں کی۔ دفعتاً میں نے آپ کے قدم کی آواز اپنے پیچھے سنی۔ بغیر کھڑے ہوئے میں جانتی تھی کہ اب آپ کی پیاری آواز مجھے مخاطب کرے گی۔ شدت امید سے جیسے میرے اعضاء شل ہو گئے تھے۔ اور میرا دل اس زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ میں نے سوچا کہ ایک جگہ بالکل رک کر کھڑا ہو جانا پڑے گا۔ آپ میرے قریب آ گئے تھے۔ آپ نے گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا۔ گویا ہم پرانے دوست تھے۔

حالانکہ آپ درحقیقت مجھے نہیں جانتے تھے۔ حالانکہ آپ نے کبھی میری حیات کی بابت کچھ نہیں جانا تھا۔ آپ کا طریقہ سرف در سادہ و دلکش تھا کہ بغیر کسی جھجک کے میں جواب دینے کے قابل تھی۔ ہم سڑک پہ چلتے رہے وہ آپ نے مجھے کہا کہ شام کا کھانا دونوں ساتھ ہی کھائیں گے۔ میں راضی ہو گئی۔ کون سی بات تھی جو میں آپ کی رد کر سکتی تھی۔

ہم نے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ آپ کو وہ جگہ یاد نہیں ہو گی۔ آپ کے نزدیک یہ اس قسم کی بہت سی باتوں میں سے ایک بات تھی۔ کیونکہ بہر حال یہی تھی کیا؟ ایسی سینکڑوں لونڈوں میں سے ایک تفریحی مشغلہ۔ غیر مختتم زنجیر کی ایک کڑی!

اس شام کو ایسی کیا بات ہوئی تھی جو آپ مجھے یاد رکھتے! میں بہت کم بولی۔ چونکہ میں بے انتہا مسرور تھی کہ آپ کے قریب ہوں۔ اور آپ مجھ سے ہم سخن ہیں۔ میں ایک لمحہ بھی سوالات میں برباد کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں اس ساعت کے لیے، اس طریقے کے لئے جس سے آپ نے میرے جذبۂ ستائش کا جواب دیا تھا۔ آپ کی ہمیشہ ممنون رہوں گی۔ آپ نے جس حسنِ اسلوب سے میرے ساتھ برتاؤ کیا تھا میں اسکو کبھی نہ بھولوں گی۔ آپ میں کوئی نازیبا اشتیاق نہ تھا۔ نرمی و نزاکت اور لپٹ جانے کی کوئی جلدی نہ تھی۔ پھر بھی آپ نے اوّل لمحے سے اس قدر دوستانہ

عنایت کیا کہ اگر میری تمام ہستی پہلے ہی سے آپ کی نہ ہوتی۔ تب بھی آپ مجھے جیت لیتے۔ کیا میں آپ کو یہ سمجھا سکتی ہوں کہ یہ بات میرے لئے کس قدر اہمیت کی حامل تھی۔ کہ میری پانچ سال کی امیدیں اس قدر مکمل طور پہ پوری ہو گئیں۔

رات زیادہ ہو گئی اور ہم ریسٹورنٹ سے چلے آئے۔ دروازہ پہ آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ آیا مجھے جانے کی جلدی ہے یا میں کچھ اور وقت آپ کے ساتھ صرف کر سکتی ہوں۔ میں نے کہا میرے پاس کافی وقت ہے۔ ایک لمحہ کے تامل کے بعد آپ نے کہا کہ کیا میں گفتگو کرنے آپ کے ہمراہ کمرے میں چل سکونگی۔ میں مسرور ہونگی۔ میں نے آمادگی سے جواب دیا۔ اور اس طرح اپنے جذبات کو بالکل ظاہر کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری اس آمادگی سے آپ کو تعجب ہوا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ آپ مسرور تھے یا پریشان۔ مگر ہاں! آپ متعجب ضرور تھے۔ آج میں آپ کی استعجاب کو سمجھ سکتی ہوں۔ آج میں جانتی ہوں کہ گو عورت کی شدید خواہش ہو کہ وہ اپنی ہستی کو کسی مرد کے سپرد کر دے۔ اس کا معمول ہے کہ وہ تا رضامندی کا فیصلہ کرے۔ انتباہ اور غصہ کا اظہار کرے۔ اور وہ راضی کر دی جائے۔ منت سماجت سے۔ جھوٹ و فریب سے۔ قسموں سے۔ وعدوں سے — میں جانتی ہوں کہ صرف پیشہ ور طوائفیں ہی اس قسم کی درخواستوں کا جواب بالکل صاف رضامندی سے دینے کی عادی ہوتی ہیں۔

——— ہاں ھوا تھیں یا پھر سادہ لوح نابالغ لڑکیاں۔ آپ ہی کہہ سکتے ہیں اور میرے معاملے میں رضامندی ابدیت آرزو کی آواز تھی۔ ان جذبات کی آواز تھی جو مدتوں تک میرے دل میں گھٹتے آئے تھے۔

اپنے معاملے میں، میں نے طریق عمل سے آپ کی توجہ مبذول کرلی۔ میں آپ کی دلچسپی کا مرکز بن گئی۔ ہم دونوں ساتھ جا رہے تھے۔ اور دورانِ گفتگو میں میں نے محسوس کیا کہ آپ کسی نہ کسی طرح مجھے جانچنے کی، میرا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ کے قیاسات اور جذبات کے کھیل میں آپ کے لمس نے آپ کو فوراً یہ سمجھا دیا تھا کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ اور یہ خوبصورت شائستہ لڑکی اپنے سینے میں کوئی راز چھپائے ہوئے ہے۔ آپ کا جذبۂ تجسس جاگ اٹھا تھا اور آپ کے عاقلانہ سوالات سے ظاہر تھا، کہ آپ میرا راز پا لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر میرے جواب کو ٹال دینے والے تھے۔ میں اپنے آپ کو بے وقوف ظاہر کرنا اپنے راز کو ظاہر کرنے سے بہتر خیال کرتی تھی۔

ہم آپ کے مکان پر پہنچے۔ میرے محبوب! مجھے معاف کیجئے اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ نہیں سمجھ سکتے۔ کہ میرا آپ کے ساتھ زینے پر جانا کیا معنی رکھتا تھا۔ میں کسطرح پاگل سی بنی جا رہی تھی۔ ایک خلش تھی جو مجھے مارے ڈال رہی تھی۔ انبساط مسرت سے میرا دم گھٹتا جا رہا تھا۔ آج بھی میں اس

کا خیال بغیر آنسوؤں کے بمشکل کر سکتی ہوں ۔ مگر اب میری آنکھوں میں آنسو نہیں رہے ہیں ۔ اس کی ہر چیز میرے بچپن کی خواہشات کی ایک یادگار تھی ۔ سامنے وہ دروازہ تھا جس کے پیچھے بیٹھ کر ہزاروں دفعہ میں نے آپ کے آنے کا انتظار کیا تھا! سیڑھیاں جہاں میں نے آپ کے قدموں کی چاپ سنی تھی ۔ اور جہاں میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا! دروازوں کا وہ شگاف جس میں سے میں نے بارہا آپ کو آتے جاتے جھانکا تھا ۔ وہ دروازے کا فرش جس پہ میں ایک دفعہ جھکی تھی! قفل کی چابی کی آواز جو ہمیشہ مجھے آگاہ کرنے کا ایک ذریعہ رہی تھی! میرے بچپن اور اس کے جذبات کی نشو و نما اسی چند گز قطعہ ارض میں ہوئی تھی ۔ یہاں میری ساری زندگی تھی ۔ اور اس نے ایک زبردست طوفان کی طرح اٹھ کر مجھے گھیر لیا تھا ۔ چونکہ سب کچھ پورا ہو جانے والا تھا ، میں آپ کے ہمراہ جا رہی تھی ۔ آپ کے ہمراہ! آپ کے گھر میں ۔ خیال فرمائیے ۔ (جس انداز سے میں ادا کر رہی ہوں وہ بہت معمولی ہے مگر مجھے بہتر الفاظ نہیں ملتے) آپ کے دروازے تک حقیقت و واقعیت کی دنیا تھی ، اس دروازے سے میرے بچپن کے تصورات کی طلسمی دنیا ۔ علاؤالدین کے چراغ کی مملکت شروع ہوتی تھی ۔ سوچیے کس طرح اپنی مستقل نگاہیں اسی دروازے پہ جا سکتی تھیں ۔ جس میں اب داخل ہو رہی تھیں ۔ میرے دماغ میں ایک ہیجان تھا اور صرف اسی سے آپ یہ اندازہ لگا سکیں گے

کہ زبردست لمحہ کی اہمیت میرے لئے کیا تھی۔

میں نے وہ رات آپ کے ساتھ گزاری۔ آپ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ سے پیشتر کسی نے میرے جسم کو چھوا یا دیکھا بھی نہ تھا ——— آپ یہ کیسے سمجھ سکتے تھے؟ جب کہ میں نے اس ڈر سے کہ کہیں میری محبت کا راز افشا نہ ہو جائے۔ کوئی حیل وحجت نہ کی۔ اور شرم وحیا کے ہر جذبہ کو دبا دیا۔ اس سے ضرور آپ کو شبہ ہوا ہوگا۔ چونکہ آپ صرف اسکی پروا کرتے ہیں جو آسانی سے ہاتھ آجائے اور آسانی سے واپس ہو جائے۔ جو سہل الحصول ہو اور جو سبک ہو۔

آپ کسی دوسرے کی قسمت کے بکھیڑوں میں پڑنے سے ڈرتے ہیں۔ آپ تمام دنیا کو اپنے آپ فیاضانہ دے دینا چاہتے ہیں۔ مگر کوئی ایثار و قربانی کرنا نہیں چاہتے۔ جس میں میں آپ سے یہ کہوں کہ میں بحیثیت ایک دوشیزہ کے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کر دیا تو مفہوم غلط نہ سمجھئے۔ میں آپ پہ کوئی الزام نہیں رکھ رہی ہوں۔ آپ نے مجھے نہیں بہکایا۔ آپ نے مجھے دھوکا نہیں دیا۔ آپ نے مجھے اغوا نہیں کیا۔ میں نے آپ کو خود آپ کی آغوش میں ڈال دیا۔ میں خود اپنی قسمت کو ڈھونڈنے گئی۔ میرے پاس سوائے ہ بات تشکر کے اور کچھ نہیں ——— جو میں اس شب کو پیش کر سکتی۔ جب میں نے تاریکی

میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور آپ میرے پاس تھے تو میں نے محسوس کیا کہ میں فردوس میں ہوں ۔ اور مجھے تعجب تھا کہ مجھ پہ ستارے نور افشانی کیوں نہیں کر رہے ۔ میرے محبوب میں کبھی اس بات پہ کبھی نہیں پچھتائی کہ اس شب میں نے خود اپنے آپ کو آپ کے حوالے کیوں کر دیا ۔ جب آپ میرے پاس سو رہے تھے جب میں نے آپ کے تنفس کی آواز سنی ، جب میں نے آپ کا جسم چھوا اور اپنے آپ کو اس قدر قریب پایا ۔ میں فرط مسرت سے آنسو نہ روک سکی ۔

میں علی الصبح ہی چلی گئی ، مجھے کام پہ جانا تھا ۔ اور میں آپ کے ملازم کے آنے سے پہلے ہی چلی جانا چاہتی تھی ۔ جب میں جانے کے لئے تیار ہو گئی آپ نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا ۔ اور بہت دیر تک میری طرف دیکھتے رہے ۔ کیا کوئی بھولی بسری یاد آپ کے دماغ میں آرہی تھی ؟ یا صرف میری مسرت کے نور نے مجھے آپ کی نظروں میں خوبصورت بنا دیا تھا ۔ آپ نے میرے لبوں پہ بوسہ دیا ۔ اور میں چلنے کے لئے اٹھی ۔ آپ نے دریافت کیا ۔

" کیا تم کچھ پھول لینا پسند کرو گی "

لکھنے کی میز پہ نیلے بلوریں گلدان پہ چار سفید گلاب کے پھول تھے ۔

(میں اس گلدان کو پہلے سے جانتی تھی جب میں نے بچپن میں اس پہ ایک جھلکی ہوئی

نظر ڈالی تھی) اور آپ نے وہ پھول مجھے دے دیئے۔ بہت دنوں تک میں ان پھولوں سے پیار کرتی رہی۔

ہم نے ایک اور شام ملنے کا انتظام کیا تھا۔ یہ ساعتیں مسرت و انبساط سے پُر تھیں۔ آپ نے ایک رات اور بھی مجھے بخشی۔ پھر آپ نے کہا کہ کچھ عرصے کے لیے آپ ویانا سے باہر بلوائے گئے ہیں۔ ——————

آہ مجھے آپ کے سفروں سے ہمیشہ کس قدر نفرت رہی ہے! آپ نے وعدہ کیا کہ واپس آتے ہی مجھے اطلاع دینگے۔ میں نے صرف آپ کو ڈاکخانہ کا پتہ دیا۔ جہاں خط میرے طلب کرنے تک محفوظ رہتے ہیں۔ اور آپ کو اپنا نام نہیں بتایا۔ میں نے اپنے راز کی حفاظت کی ایک مرتبہ پھر رخصت ہوتے وقت آپ نے مجھے گلاب کے پھول دئے —————— رخصت ہوتے وقت!

دو مہینے تک ہر روز میں اپنے آپ سے پوچھتی تھی —— مگر نہیں میں اپنی امید کے اس کرب اور مایوسی کا ذکر نہیں کروں گی۔ میں شکایت نہیں کرتی۔ میں آپ سے اسطرح محبت کرتی ہوں جیسے کہ آپ ہیں۔ پر جوش و تغافل شعار فیاض و وفا نا آشنا۔ میں آپ سے اسطرح محبت کرتی ہوں جیسے کہ آپ ہمیشہ رہے ہیں۔ دو مہینے ختم ہونے سے کہیں

پہلے آپ واپس آچکے تھے۔ آپ کی کھڑکی کی روشنی نے مجھے بتا دیا تھا۔ مگر آپ نے مجھے کوئی خط نہیں لکھا۔ زندگی کی اس آخری ساعت میں میرے پاس آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک سطر بھی نہیں ہے۔ اُس کی ایک سطر بھی نہیں جس کو میں اپنی زندگی سونپ چکی ہوں۔ میں انتظار کرتی رہی۔ مایوسی سے انتظار کرتی رہی۔ ——— آپ نے مجھے اپنے پاس نہیں بلایا۔ آپ نے مجھے ایک لفظ بھی نہیں لکھا —— ایک لفظ بھی نہیں،

میرا بچہ جو کل مر چکا ہے، وہ بھی آپ کا تھا۔ وہ آپ کا بیٹا تھا۔ اُن تین راتوں میں سے ایک کا ماحصل ——— ! اس وقت سے اس کی پیدائش تک میں آپ کی بنی، صرف آپ کی۔ معلوم ہوتا تھا میں آپ کے لمس سے متبرک ہو گئی ہوں۔ اس وقت میرے لئے قطعی ممکن نہ تھا کہ میں کسی اور شخص کی پیش کش الفت قبول کر سکوں۔ وہ ہمارا بچہ تھا۔ میری دانستہ محبت اور آپ کی بے پرواہ، عیاشانہ اور نادانستہ مہربانی کا ثمرہ! ہمارا بچہ، ہمارا بیٹا، ہمارا اکلوتا بچہ ——— ! شاید آپ چونک اٹھیں۔ شاید آپ کو یونہی سا تعجب ہو۔ آپ کو حیرت ہو گی کہ میں نے لڑکے کی بابت کبھی آپ کو کچھ نہیں بتایا۔ اور کیوں اس قدر

طویل عرصہ خاموش رہنے کے بعد اب میں یہ آپ کو بتا رہی ہوں۔ جب وہ اپنی آخری نیند سو رہا ہے۔ اور مجھ سے جدا ہونے کو ہے۔ ———— کبھی بھی مایوس نہ ہونے کے لئے۔ میں آپ کو بتا بھی کیسے سکتی تھی۔ میں ایک اجنبی لڑکی تھی، ایک لڑکی جس نے وہ تین راتیں آپ کے ساتھ بہت شوق سے گزاری تھیں۔ آپ اس وقت بھی یہ یقین نہ کرتے کہ ایک گمنام لڑکی جس کا آپ سے اتفاقیہ ساتھ ہو گیا تھا، آپ جیسے بے وفا سے وفادار رہی۔ آپ کبھی ہرگز بغیر شہادت اس لڑکے کو اپنا تسلیم نہ کرتے۔ اگر آپ ظاہراً میرے الفاظ کا یقین بھی کر لیتے۔۔۔ تب بھی آپ کے دل میں پوشیدہ شبہ یہ باقی رہ جاتا کہ غالباً آپ کے بعد بھی میں نے کسی دولتمند شخص کو اس لڑکے کا باپ بنایا ہو۔ آپ کو ضرور شبہات ہوتے میرے اور آپ کے درمیان ہمیشہ ایک بے اعتباری کا سایہ حائل رہتا۔ میں اس کو برداشت نہ کر سکتی تھی۔ علاوہ ازیں میں آپ کو جانتی ہوں ——— شاید میں آپ کو آپ سے بھی زیادہ جانتی ہوں۔ آپ بالکل بے فکری، آزادی اور آرام سے رہنا چاہتے ہیں۔ اور یہی آپ محبت کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے آپ کو اس بات سے نفرت ہوتی کہ آپ دفعتاً ایک بچے کے باپ بن گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس بچہ کی زندگی و قسمت کے ذمہ دار ہیں۔

آزادی کا سانس آپ کے لیئے زندگی کا سانس ہے۔ اور آپ تیسری ہستی کو نبدھن تصوّر کرتے۔ اندر ہی اندر اپنی دانستہ مرضی کے خلاف

کسی وقت کسی ساعت یا کسی تیزی سے گزر جانے والے لمحے کے لیے آپ مجھے ایک بوجھ محسوس کرتے۔ مجھ سے نفرت کرنے لگتے۔ مگر میرے غرور کا تقاضا تھا کہ میں زندگی بھر آپ کی کسی مصیبت یا فکر کا باعث نہ بنوں۔ میں بجائے اس کے کہ آپ پہ ایک بار بنوں، تمام بار اپنے ہی کاندھوں پہ لے لینا چاہتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ ان تمام عورتوں میں جن کو آپ جانتے ہیں۔ میں بھی صرف وہ عورت ہوں جس کا خیال آپ ہمیشہ محبت و تشکر کے جذبات کے ساتھ کریں۔ درحقیقت آپ کو کبھی میرا خیال آیا ہی نہیں۔ آپ مجھے بھول گئے۔ میں آپ کو الزام نہیں دے رہی ہوں۔ یقین کیجئے میں شکایت نہیں کر رہی ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ اگر آپ کا خیال ہو کہ گاہے گاہے میرا قلم زہر اُگلنے لگتا ہے۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ چونکہ میرا بچہ، ہمارا بچہ! شمعوں کی تھرتھراتی روشنی میں مرا پڑا ہے۔ میں نے خدا کے خلاف اپنی مٹھیوں کو بھینچ لیا ہے۔ میں نے اسے قاتل کہا ہے۔ چونکہ دفورِ غم سے میں اپنے آپے میں نہیں ہوں۔

مجھے معاف کر دیجیے! کہ میں شکایت کر رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ رحمدل ہیں۔ اور ہمیشہ دوسروں کی مدد کرنے کو مستعد رہتے ہیں۔ آپ غیر سے غیر شخص کے ایک لفظ پہ اس کی مدد کرنے کو تیار ہو جائینگے۔ مگر آپ کی رحم دلی مخصوص ہے۔ وہ لامحدود و غیر مسدود ہے۔ کوئی شخص بھی آپ کو اتنا پا سکتا ہے جتنا وہ اپنے ہاتھوں سے گرفت کرے۔ تاہم مجھے کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا رحم و کرم سستی سے کام کرنے کا عادی ہے۔ آپ سے مانگنا پڑتا ہے۔ آپ ان کی مدد کرتے ہیں جو مدد کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ شرم کی وجہ سے مدد کرتے ہیں اکثر دری کی وجہ سے مدد کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مدد نہیں کرتے کہ مدد کرنا فی نفسہٖ ایک پُر مسرت کام ہے۔ مجھے آپ ... یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ وہ لوگ جو مصائب و آلام میں ہیں آپ کے نزدیک ان لوگوں سے زیادہ قابل رحم، نہ زیادہ عزیز نہیں ہیں۔ جو آپ کی طرح عشرت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ کی قسم کے لوگوں میں سے کسی سے بھی، ان میں سب سے زیادہ رحمدل سے بھی کچھ مانگنا مشکل ہے۔ بہت مشکل ہے۔ ایک دفعہ جب کہ میں ہنوز بچہ ہی تھی میں نے آپ کے دروازہ کی دراز سے جھانکا تھا کہ کس طرح آپ نے کسی فقیر کو کچھ دیا۔ جس نے آپ کے دروازے کی گھنٹی بجائی تھی —

ہاں اس کے سوال کرنے سے پہلے آپ نے نہایت سرعت سے نہایت
فیاضی سے اسکو دیا تھا۔ آپ کے طریقے میں ایک خاص بے چینی و
اضطراب تھا۔ ایک خاص سرعت و تیزی تھی۔ گویا کہ آپ کا مقصد اس
سے چھٹکارا پانا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس سے نظریں چار کرنے سے
ڈرتے تھے۔ میں امداد کے اس ڈرپوک و اضطراب انداز کو لفظ تشکر
سے حذر کرنے کے اس طریقہ کو کبھی فراموش نہ کرسکی، یہی وجہ ہے کہ
مصیبت میں، میں نے آپ سے رجوع نہیں کیا۔ آہ میں جانتی ہوں کہ
باوجود اس شک کے کہ میرا بچہ واقعی آپ کا ہے آپ وہ مجھے سب مدد
دیتے جسکی مجھے سخت ضرورت تھی۔ آپ مجھے آرام و آسائش پہنچاتے
اور مجھے روپیہ دیتے۔ بہت روپیہ دیتے۔ مگر ہمیشہ ایک بے چینی و اضطراب
کے پردے میں ــــــــ مصیبت کو ٹال دینے کی ایک پوشیدہ
آرزو کے تحت مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے اس ہونے والے بچے سے
چھٹکارا پانے کا مشورہ دیتے۔ میں اس بات سے سب سے زیادہ خوفزدہ
تھی۔ چونکہ میں جانتی تھی کہ آپ جو کچھ کہیں گے مجھے کرنا ہی ہوگا۔ مگر وہ
بچہ میرے لئے سب کچھ تھا۔ وہ آپ کا تھا۔ یہ آپ ہی نے دوسرا
جنم لیا تھا ــــــــ وہ آپ نہیں جو بے فکرو سرورہ

ہیں ۔ اور جن کو حاصل کرنے کی میں کبھی امید بھی نہیں کر سکتی ۔ بلکہ وہ آپ جو صرف میرے ہی لئے پیدا کئے گئے تھے میرے ہی گوشت کا ایک ٹکڑا جو میری ہستی سے لاینفک طور پر وابستہ تھا ۔ آخرکار میں نے آپ کو پا لیا تھا ۔ میں اپنی رگوں میں آپ کے خون زندگی کی گردش محسوس کر سکتی تھی ۔ میں اپنے دل کی ہر تڑپ کے ساتھ آپ کو غذا دے سکتی تھی ۔ آپ پر محبت سے ہاتھ پھیر سکتی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ میں حاملہ ہوں تو میں بے انتہا مسرور ہوئی ۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس راز کو آپ سے چھپائے رکھا ۔ اب آپ مجھ سے غدر نہیں کر سکتے تھے!

مگر آپ کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ انتظار کے یہ مہینے اتنی ہی خوشی سے کٹے ۔ جو میں نے اپنی مسرت کے اولین لمحات میں محسوس کی تھیں ۔ وہ غم و افکار سے پر تھے ، انسانی پستی و ذلت سے معمور ۔ مجھے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ آخری مہینوں میں ، میں کام پر نہ جا سکی ۔ چونکہ میرے سوتیلے باپ کے عزیز میری حالت کو سمجھ لیتے ۔ اور گھر خبر بھیج دیتے ۔ میں اپنی ماں سے بھی روپیہ مانگنا نہیں چاہتی تھی ۔ لہذا وضع حمل کے وقت تک میں اپنے چھوٹے چھوٹے زیورات بیچ کر گزر کرتی رہی ۔ زچگی سے ایک ہفتہ پیشتر میری جیب میں کچھ دام پڑے تھے ۔

وہ ملازم نے چرا لیے۔ اور اس لیے مجھے زچگی کے شفا خانے میں جانا پڑا۔ وہ بچہ، آپ کا بیٹا، بدبختی و بدنصیبی کے اس خرابے ــــــــ اس محتاج خانے میں --- غریبوں اور لاوارثوں، بے خانماؤں کے درمیان پیدا ہوا۔ وہ ایک منحوس اور مہلک ماحول تھا۔ ہر چیز اجنبی، ہر چیز بیگانہ تھی۔ ہم وہاں اپنی تنہائی میں ایک دوسرے سے بیگانہ پڑے تھے۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے جذبات تھے۔ شفا خانے کے اس وارڈ میں جہاں خون، کلوروفارم کی بو تھی۔ جو آہ و ماتم کی آوازوں سے معمور تھا۔ ہم افلاس و مصیبت کے تنہا رشتے میں منسلک وہاں پڑے تھے۔ شفا خانے کے ایسے کمروں میں سرہانے کی تختی پر لکھے ہوئے نام کے علاوہ مریض اپنی تمام شخصیت تمام انفرادیت تمام انانیت کھو بیٹھتا ہے۔ بستر پر پڑا ہوا مریض انسان نہیں گوشت کا اُدھ ترپتا ہوا ایک لوتھڑا ــــــــ مشاہدہ و مطالعہ کی چیز ہوتا ہے۔

ان باتوں کے بیان کے لیے میں آپ سے معافی کی طالب ہوں۔ میں ان کا پھر بھی تذکرہ نہیں کروں گی۔ گیارہ برس سے میں خاموش رہی۔ اور تھوڑی دیر میں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاؤں گی۔ ایک مرتبہ میں چیخنا چاہتی تھی۔ آپ کو بتا دینا چاہتی تھی کہ یہ بچہ کس قدر گراں قیمت پر خرید آگیا تھا۔ یہ بچہ جو میری مسرت کا ذریعہ تھا، اور جو اب سرد پڑا ہے۔ میں وہ المناک و مہیب ساعتیں فراموش کر چکی تھی، اس کے تبسم اور اس کی آواز میں ان کو محو کر چکی تھی۔ اپنی مسرت میں ان کو بھول گئی تھی۔ اب جبکہ وہ

مردہ پڑا ہے۔ وہ کرب و اذیت پھر زندہ ہو گئے۔ میں صرف ایک مرتبہ الفاظ میں انھیں ادا کرنا چاہتی تھی۔ مگر میں آپ کو الزام نہیں دیتی۔ صرف خدا! ہاں صرف خدا —— جو —— ان سب بے معنی مصیبتوں کا خالق ہے۔ پھر بھی آپ کے خلاف کوئی برہم خیال میرے دل میں پیدا نہیں ہوا۔ —— درد زہ کے جان سوز کرب میں بھی مجھے آپ پر غصہ نہیں آیا۔ میں نے کبھی ان راتوں پہ تاسف نہیں کیا۔ جب مجھے آپ کی محبت مل گئی تھی، میں ہمیشہ آپ سے محبت کرتی رہی جب آپ میری زندگی میں آئے۔ اگر میرے لئے یہ ممکن ہوتا کہ میں زمانے کو لوٹا کر اتنے عرصے کے لئے پھر زندہ رہ سکوں۔ چاہے یہ زندگی جہنم ہی میں بسر کرنی پڑے۔ تو میں ایک بار نہیں متعدد بار ایسا کر چکی ہوتی!

ہمارا بچہ جیسے آپ جانتے بھی نہیں —— کل مر گیا۔ آپ کی نظر کبھی اس پر نہیں پڑی۔ اس کی بشاش ہستی سے، آپ کا بھی بعید ترین گریز پا، عارضی اتصال بھی نہ ہو سکا۔ بچے کی پیدائش کے بعد بہت عرصے تک آپ کی نظروں سے میں پوشیدہ رہی۔ میری ہستی پہ آپ کی محبت کا چھا جانے والا اثر کچھ کم ہو گیا تھا۔ ہاں مجھے یقین ہے، میرے دل میں آپ کی محبت اذیت کا ذریعہ نہ تھی۔ چونکہ اب میرا بیٹا میرے پاس تھا، میں اپنے آپ کو اس کے اور آپ کے درمیان تقسیم کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے اپنی ہستی کو آپ کے سپرد نہیں کیا۔ جو مجھ

سے بے نیاز رہ کر مسرور تھے۔ بلکہ اس لڑکے کے لئے وقف کر دیا جسکو میری ضرورت تھی۔ جسکی میں پرورش کر سکتی تھی۔ جس کو سینے سے لگا سکتی تھی معلوم ہوتا تھا اپنے قلب میں آپ کی تڑپتی ہوئی مضطرب آرزو کا درماں مجھے مل گیا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے اس دوسرے جنم نے جس میں آپ سچ مچ بالکل میرے تھے۔ میری قسمت سے تباہی کو دور کر دیا ہے۔ اب یوں ہی کبھی کبھی میرے جذبات آپ تک آپ کے قیام گاہ تک پہنچتے تھے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ ان پھولوں کی طرح جو آپ نے محبت کی پہلی شب کو مجھے پیش کئے تھے۔ کچھ سفید گلاب کے پھول۔ میں آپ کی سالگرہ کے دن ہمیشہ بھیجتی رہی۔ کیا اس وس گیارہ سال کے دوران میں کبھی ایک دفعہ بھی آپ کو یہ خیال آیا کہ آپ اپنے دل میں سوچیں کہ یہ پھول کس نے بھیجے ہیں۔ — ؟ کیا آپ کو کبھی یہ بھی یاد آیا کہ اس قسم کے چند پھول ایک دفعہ آپ نے ایک لڑکی کو دئے تھے؟ میں نہیں جانتی اور کبھی نہیں جان سکوں گی کہ میرے لئے انتہائی ضروری تھا کہ گمنامی کے تاریک گوشہ سے آپ کو وہ پھول بھیجا کروں! اتنا ہی بہت تھا کہ ہر سال اس ساعت مسعود کی یاد کو اپنے دماغ میں "تازہ کر لیا کروں:

آپ نے اس بچے کو کبھی نہیں دیکھا۔ آج میں اس کو آپ سے پوشیدہ رکھنے کی وجہ سے اپنے آپ کو قابل الزام سمجھ رہی ہوں۔ کیونکہ آپ یقیناً اس سے محبت

کرتے۔ آپ نے اس کو خواب بیدار ہو کر تبسم ریز ہوتے نہیں دیکھا۔ آپ نے اسکی سیاہ آنکھوں کو نہیں دیکھا جو آپ کی آنکھیں تھیں ۔ وہ آنکھیں جن سے وہ مجھے اور دنیا کو شادمانی سے دیکھتا ۔ وہ بہت خوبصورت تھا ۔ وہ بہت پیارا تھا ۔ آپ کی بشاشت اور متلون مزاجی سب اس میں موجود تھی ۔ اس صورت میں کہ جس میں یہ صفات ایک بچہ میں ظاہر ہو سکتی ——— وہ گھنٹوں عالم بے خودی میں چیزوں سے کھیلتا رہتا جیسے کہ آپ زندگی سے کھیلتے ہیں اور پھر سنجیدہ ہو جاتا ۔ اور بہت دیر تک بیٹھا اپنی کتابیں پڑھتا رہتا ۔ وہ آپ تھے ۔ دوسرے جنم میں آپ!

خوش طبعی اور سنجیدگی کا ارتباط و اشتراک جو آپ کے کردار کی اس قدر خاص خصوصیات ہیں ۔ اس میں صاف نظر آنے لگی تھیں ۔

اور جتنا آپ سے زیادہ مشابہ ہوتا جاتا اتنی ہی زیادہ میں اس سے محبت کرتی جاتی ۔ وہ پڑھنے میں تیز تھا ۔ اور فرانسیسی زبان میں بلبل کی طرح باتیں کرتا ۔ ——— اس کی تحریر درجہ میں سب سے زیادہ صاف رہتی ——— وہ کیسا خوبصورت چھوٹا سا آدمی معلوم ہوتا تھا ۔

جب گرمی کے موسم میں گریڈو کے مقام پہ اسے ساحل پہ لے جاتی تو عورتیں اسے روک لیتیں ۔ اور اس کے حسین بالوں سے کھیلتیں ۔ سیمرنگ میں جب وہ برف پہ پھسلنے والی گاڑی پہ بیٹھکر پھسلتا تو لوگ مڑ مڑ کر اس کو دیکھا کرتے ۔ وہ حمید

خوبصورت اور بے حد شریف النفس، بے حد دلکش اور جاذب توجہ تھا۔ پچھلے سال
جب وہ کالج میں داخل ہؤا اور بورڈنگ ہاؤس میں رہنے لگا تو اس نے اٹھارویں
صدی کے لڑکے کی سی وردی پہننا شروع کر دی جس کی پیٹی میں ایک چھوٹی سی
چھری آویزاں تھی ——— اب وہ یہاں پڑا ہے۔ اسکی آنکھیں بے رونق
اور زرد ہیں۔ اس کے ہاتھ ایک دوسرے پر رکھتے ہیں۔

آپ کو حیرت ہو گی کہ میں اپنے لڑکے کو اسقدر قیمتی تربیت کسطرح دے
سکی۔ یہ میرے لئے کسطرح ممکن ہؤا کہ میں آسودہ حال لوگوں کو مسرور اور
پُر رونق زندگی میں اس کے داخل ہونے کے سامان فراہم کر سکوں ——— میرے
محبوب، میں آپ سے دور اندھیرے میں سے گفتگو کر رہی ہوں۔ بغیر کسی شرم و
حجاب کے میں آپ کو بتا دوں گی۔ آپ مجھ سے نفرت نہ کیجئے۔

میں نے اپنے کو بیچ ڈالا۔ میں نے کبھی پیشہ نہیں کیا ——— میں ایک
بازاری طوائف نہ بنی۔ ——— پھر بھی میں نے اپنے آپ کو بیچ
ڈالا۔ میرے احباب، میرے عشاق ——— دولت مند اشخاص
تھے۔ اوّل اوّل میں نے ان کو ڈھونڈا۔ اور پھر انہوں نے مجھ کو ڈھونڈ لیا۔
چونکہ میں (کبھی آپ نے غور بھی کیا ہے) ایک خوبصورت عورت تھی۔ جس کسی کو
میں نے اپنے آپ کو دے دیا۔ وہ میرا ہو گیا۔ وہ سب میرے حلقہ بند مداح

تھے۔ وہ سب مجھ سے محبت کرتے تھے ——— سوائے آپ کے، سوائے آپ کے جن سے میں محبت کرتی تھی!

اب جبکہ میں آپ کو بتا چکی کہ میں نے کیا کیا۔ کیا آپ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے؟ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا نہیں کرینگے۔ میرا خیال ہے کہ آپ سب باتیں سمجھ سکیں گے۔ آپ سمجھ سکیں گے کہ میں نے جو کچھ کیا وہ آپ کی خاطر کیا۔ ——— آپ کے دوسرے وجود کی خاطر ——— آپ کے لڑکے کی خاطر۔ میں جانتی تھی کہ غریبوں کی دنیا میں زبردست ہی ہمیشہ مظلوم رہے ہیں۔ میں اس خیال کو بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی، کہ آپ کا لڑکا، آپ کا پیارا لڑکا ایسے بُرے ماحول میں ——— بدچلن، اوباشوں اور غریبوں کے محلّوں کی گندگی ناپاک گلیوں کی مسموم ہواؤں میں پرورش پائے۔ اس کے نازک و لطیف ہونٹوں کو لاوارثوں کی زبان نہیں سیکھنا چاہئے۔ اس کے خوبصورت سفید جسم کو غریبوں کے سخت موٹے چھوٹے کپڑوں سے خراب نہیں ہونا چاہئے۔ آپ کے لڑکے کو ہر چیز کا بہترین حصّہ مل جانا چاہئے۔ تمام دنیا کی نعمت، تمام دنیا کی عشرت حاصل ہونا چاہئے۔ اس کو اسی ماحول میں رہنا چاہئے جس میں آپ رہ چکے تھے۔ اس کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئے۔

یہ وجہ تھی جس کی بنا پر میں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ——— یہ میرے لئے

اختیار نہ تھا کیونکہ جن چیزوں کا نام ہم نے رسمی طور پر "عزت" اور "بے عزتی" رکھ دیا
ہے وہ میرے لئے بے معنی تھیں۔ صرف آپ ہی ایک وہ ہستی تھے جو میرے
جسم کے مالک تھے۔ اور آپ کو مجھ سے محبت تھی۔ تو کیا یہ چیز بالکل بغیر اہم،
بالکل بے معنی نہ تھا۔ کہ میں اپنے جسم کے ساتھ کیا کرتی ہوں؟ میرے احباب
کی محبتیں اور وفائیں حتیٰ کہ ان کے انتہائی پرجوش ہما ہے بھی کبھی میرے دل کی
گہرائیوں کو نہ چھو سکے۔ حالانکہ ان میں اکثر ایسے لوگ تھے جن کی میں دل سے
عزت کرنے پر مجبور تھی۔ اور حالانکہ خود اپنی قیمت کا خیال مجبور کرتا تھا۔ اور میں
ان کے یک طرفہ جذبہ محبت سے ہمدردی کروں۔

یہ سب لوگ مجھ پر مہربان تھے۔ ان سب نے مجھ سے الفت کی اور
مجھے خراب کیا۔ ———— وہ سب میرا ہر ممکن پاس و لحاظ کرتے تھے۔
ان میں سے ایک باعزت معمر شخص نے جسکی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اپنے ہر ممکن
اثر و کوشش سے کام لے کر آپ کے لڑکے کا نام کالج میں داخل کروا دیا۔ —
یہ شخص مجھ سے لڑکی کی طرح محبت کرتا تھا۔ تین چار مرتبہ اس نے مجھ سے اصرار
کیا کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ آج میں ایک دولتمند بیگم ہوتی ————
ٹائرال کے ایک عالی شان محل کی ملکہ — — ! میں فکروں اور پریشانیوں سے
بری ہوتی۔ چونکہ لڑکے کو ایک بے حد مہربان باپ مل جاتا اور مجھے ایک

سنجیدہ، ممتاز اور رحمدل شوہر۔ مگر میں اپنے انکار پہ اڑی رہی —— گو میں جانتی تھی کہ اس سے اس کو اذیت پہنچی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ میری بیوقوفی و حماقت ہو۔ اگر میں مان جاتی تو آج کہیں نہ کہیں محفوظ اور پرسکون زندگی بسر کرتی ہوتی۔ اور میرا بچہ اب بھی میرے پاس ہوتا۔ مگر میں آپ سے اپنے انکار کی وجہ کیوں چھپاؤں۔ —— میں اپنے ہاتھ نہیں باندھنا چاہتی تھی —— میں آزاد رہنا چاہتی تھی —— آپ کے لیئے۔ اپنے قلب کی عمیق ترین گہرائیوں میں اپنے نفس کے اس حصہ میں جو شعور کی حد سے باہر ہے —— میں اپنے بچپن کے آرزوؤں کے خواب دیکھتی رہی —— شاید کسی دن آپ مجھے اپنے پاس بلالیں۔ چاہے صرف ایک ہی ساعت کے لیئے۔ صرف ایک ہی ساعت کے امکان کے لیئے میں نے ہر دوسری چیز کو ٹھکرا دیا۔ صرف اس لیئے کہ میں آپ کی آواز پہ آزادی سے لبیک کہہ سکوں۔ اس وقت سے جب کہ مجھ میں "عورت" جاگ اٹھی تھی، میری زندگی صرف ایک انتظار تھی۔ آپ کے ایک اور اشارہ کا انتظار —————— !

آخر کار یہ متوقع ساعت آئی۔ پھر کبھی آپ نے یہ نہیں جانا کہ یہ ساعت آئی۔ جب یہ ساعت آئی۔ آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ کبھی نہیں، میں آپ سے اکثر ملی۔ تھیٹروں میں، نغمہ و سرود کی محفلوں میں، پریٹر میں —— اور

دوسری جگہ ——————— ہمیشہ میرا دل دھڑکا۔ اور ہمیشہ آپ بغیر کوئی توجہ کیے ہوئے میرے قریب سے ہو کر گزر جایا کرتے۔ — میری ظاہری شکل و شباہت بہت کچھ بدل چکی تھی۔ وہ شرمگین لڑکی اب ایک عورت تھی۔ لوگ کہتے تھے، ایک خوبصورت۔ میں نفیس پوشاک میں ملبوس تھی۔ اور میرے گرد مداحوں کا مجمع تھا۔ اب آپ مجھ میں اس شرمیلی لڑکی کو کس طرح جان سکتے تھے۔ جس کو آپ نے اپنے خواب کے کمرے میں دھندلی روشنی میں دیکھا تھا؟ اکثر میرا ساتھی آپ کو سلام کرتا اور آپ مجھے دیکھتے ہوئے سلام کا جواب دیتے۔ مگر آپ کی نگاہیں ہمیشہ ایک خلیق و مہذب اجنبی کی نگاہیں ہوتیں۔ تعظیم و تکریم کی نگاہیں۔ مگر وہ عرفان و آگہی کی نگاہیں نہ تھیں۔ — آہ ——————— وہ نگاہیں دور تھیں، مایوسی کی سرحد سے بھی دور۔ — مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ یہ ناشناسا نگاہیں جن کی گو میں عادی ہو چکی تھی ناقابلِ برداشت تھیں۔ میں ایک دوست کے ہمراہ تھیٹر کے ایک کوچ بکس میں بیٹھی ہوئی تھی اور آپ دوسرے بکس میں تھے۔ جب تماشا سے پہلے نغمے کا آغاز ہوا تو روشنیاں کم کر دی گئی تھیں۔ میں آپ کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ — میں آپ کا تنفس اسی طرح محسوس کر رہی تھی جیسا کہ میں نے آپ کے کمرے میں محسوس کیا تھا۔ آپ کا نازک ہاتھ مخمل سے ڈھکی ہوئی درمیانی دیوار سے ٹکا ہوا تھا۔ میں اس وقت بے پایاں

خواہش سے معمور تھی کہ جھک کر آپ کے اُس ہاتھ کو بوسہ دوں جس کا محبت آمیز مس میں نے ایک دفعہ محسوس کیا تھا ۔ تماشہ کی آوازوں کے ہنگامہ میں یہ خواہش تیز تر اور شدید تر ہوتی گئی ۔ ——— میں بمشکل تمام لرزتے ہوئے اپنے آپ کو آپ کے ہاتھ کا بوسہ دینے سے روک سکی پہلے ایکٹ کے اختتام کے بعد میں نے اپنے دوست سے کہا کہ میں جانا چاہتی ہوں ۔ میری قوت برداشت سے یہ باہر تھا کہ آپ تاریکی میں میرے پاس بیٹھے رہیں ۔ اس قدر قریب اور اس قدر بیگانہ ۔ اور اس قدر اجنبی اور غیر!

مگر یہ ساعت ایک دفعہ اور آئی ۔ صرف ایک دفعہ ۔ اور یہ صرف ایک سال پہلے کا آپ کی سالگرہ کے دن کا قصہ ہے ۔ میرے تمام جذبات پہلے سے زیادہ آپ پر مرکوز تھے ۔ چونکہ میں آپ کی سالگرہ کو مقدس تقریب کی طرح منایا کرتی تھی ۔ میں علی الصبح گلاب کے سفید پھول خریدنے کے لئے گئی جو میں ہر سال آپ کو اس ایک ساعت کی یاد تازہ رکھنے کے لئے بھیجتی تھی ۔ جس کو آپ فراموش کر چکے تھے ۔ سہ پہر کو میں اپنے بچے کو گاڑی میں سیر کرانے کو لئے جا رہی تھی ۔ اور ہم نے ساتھ چائے پی ۔ شام کو ہم تھیٹر گئے ۔ میں چاہتی تھی کہ اس دن کو اپنی جوانی کی ایک

ایک مخفی اور پر اسرار سالگرہ کی طرح منائے ۔ ــــــ حالانکہ اس کو اس کا سبب معلوم نہ تھا ۔ دوسرے دن میں نے اپنے اس زمانے کے ایک گہرے دوست کے ساتھ گزارا جو برن کا ایک دولتمند تاجر تھا ۔ جس کے ساتھ میں دو برس سے رہ رہی تھی ۔ وہ مجھ پر بری طرح فریفتہ ہو گیا اور وہ بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا ۔ میں نے انکار کر دیا ۔ جس کی وہ کوئی وجہ نہ سمجھ سکا ۔ گو اس نے مجھے اور میرے بچے کو اپنے بیش بہا تحائف سے احسان مند کر دیا ۔ اور اپنے والہانہ جذبۂ محبت میں کافی حد تک "قابلِ محبت" تھا ۔ ہم دونوں نغمہ و سرود کی ایک محفل میں گئے جہاں ہمیں بہت زندہ دل اور ہشاش بشاش لوگ ملے ۔ رنگ ریمی کے ایک ریسٹورنٹ میں ہم نے شام کا کھانا کھایا ۔ ہنسی اور گفتگو کے دوران میں ناچ گھر جانے کو کہا ۔ عام طور پر ایسی جگہوں میں جہاں کی مسرت میں کیف و سرود کی آمیزش ہو ــــــ حذر و احترازانہ کرتی معلوم ہوتی تھی ۔ میں نے تجویز پیش کی ۔ جس کا خیر مقدم بہت خوشی سے کیا گیا ۔ میں ایک ناقابلِ فہم خوشی سے وجد میں تھی ۔ گویا کچھ غیر معمولی تجربات میرے منتظر تھے معمول کے مطابق اس وقت بھی ہر شخص میری رائے سے ہم خیال ہونے کا خواہشمند تھا ۔ ہم ناچ گھر گئے ۔ تھوڑی سی ارغوانی شراب پی ۔ اور دفعتاً مسرت کی ایک

ایسی حزن پرور کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی جس سے اس وقت سے پیشتر
میں واقف نہ تھی میں نے پے بہ پے شراب کے کچھ جام پئے۔ اور کچھ گانے
والوں کے ساتھ جو موقع محل کے مطابق ایک گانا گا رہے تھے۔ میں بھی شامل
ہوگئی۔ اور مجھ میں مسرت کے ساتھ رقص کرنے کی ایک آمادگی پیدا ہوئی۔
پھر یکایک میں نے محسوس کیا کہ جیسے کسی برف کی طرح خنک یا جلتے ہوئے
ہاتھ نے میرے دل کو پکڑ لیا ہو۔ آپ دوسری میز پر کچھ احباب کے ساتھ
بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مجھے لجاجت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔
ان نگاہوں نے مجھے ہمیشہ ناقابل بیان طور پر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ لرزہ بر اندام
کر دیا۔ اپنی فطرت کے ایک نامعلوم جذبے کے ماتحت میں ——— اس
دس برس کے دوران میں آپ پہلی دفعہ مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں لرز اٹھی
اور میرا ہاتھ اس زور سے کانپا کہ شراب کا پیالہ قریب قریب گر پڑا۔ خوش
قسمتی سے میرے ساتھیوں نے میری حالت نہیں دیکھی۔ چونکہ ان کے
حواس موسیقی اور قہقہوں کی آواز سے منتشر و پراگندہ تھے۔ آپ کی نگاہیں
زیادہ پرجوش ہوتی گئیں۔ اور انہوں نے میرے جذبات کو مشتعل کر دیا۔
میں نہیں کہہ سکتی کہ آیا ——— آپ نے مجھے پہچان لیا تھا یا آپ کی خواہشات
عورت نے برانگیختہ کر دی تھیں۔ جو آپ کی نگاہوں میں بالکل بیگانہ و اجنبی

تھی۔ میرے رخسار سرخ ہو گئے تھے۔ اور بے ربطی سے واہی تباہی بات کر رہی تھی۔ آپ نے اپنی نگاہوں کے اثر کو محسوس کر لیا تھا۔ آپ نے ملحقہ کمرے میں مجھے ایک لمحہ کے واسطے بلانے کے لئے سر کی ایک جنبش سے ایک خفیف سا اشارہ کیا۔ اور پھر اپنا بل ادا کر کے آپ اپنے ساتھیوں سے رخصت ہوئے۔ اور میز کے پاس چلے گئے۔ اور مجھے اشارے سے یہ بتانے گئے کہ آپ باہر میرے منتظر رہیں گے۔ میں ایک ایسے مریض کی طرح کانپ اٹھی جس کو بخار میں جاڑا چڑھ آیا ہو۔ جب میں مخاطب کی گئی تو جواب دینے کے قابل نہ تھی۔ میں اپنے ہیجان خون پر قابو حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اس وقت اتفاق سے محض دو حبشیوں نے اپنی تیز و کرارہ آواز کے ساتھ وحشیانہ رقص شروع کر دیا۔ ہر شخص ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور میں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ میں کھڑی ہو گئی اور اپنے دوست سے کہا کہ میں ایک منٹ میں واپس آجاؤں گی۔ اور پھر آپ کے پیچھے آئی۔ آپ برآمدہ میں میرے منتظر تھے۔ جب میں آئی آپ کا چہرہ چمک اٹھا اور تبسم کے ساتھ آپ مجھ سے ملنے کے لئے آگے بڑھے۔ یہ ظاہر تھا کہ آپ نے مجھے نہ پہچانا تھا۔ نہ پچھلے زمانے کی اس بچی کو۔ نہ لڑکی کو ——— میں صرف آپ کے لئے نئی ملاقاتی تھی ———

"کیا واقعی آپ کے پاس ایک گھنٹہ میرے ساتھ گزارنے کے لئے ہے؟"

آپ نے ایک مطمئن لہجے میں پوچھا جس سے ظاہر تھا کہ آپ مجھے ایک ایسی عورت تصور کر رہے تھے جس کو کوئی بھی ایک رات کے لئے قیمت ادا کرکے خرید سکتا ہے۔

"ہاں"

میں نے جواب دیا۔ وہی کانپتی ہوئی اثباتی "ہاں" جو آپ نے تقریباً دس برس پہلے ایک تاریک سڑک پر مجھ سے میری دوشیزگی کے زمانے میں سنی تھی

"آپ کب مل سکیں گی؟"

آپ نے دریافت کیا

"جب آپ چاہیں"

میں نے جواب دیا۔

چونکہ جہاں تک آپ کا تعلق تھا وہاں میں کوئی شرم و حجاب نہیں جانتی تھی۔ آپ نے مجھے کچھ حیرت سے دیکھا۔ ایسی حیرت نہ جس میں شک اور راز جویانہ شوق شامل تھے۔ اور جس کا اظہار آپنے اس سے پیشتر اس

وقت بھی کیا تھا جب آپ میری آمادگی پر متعجب ہو گئے تھے۔

"ابھی ---! " ایک لمحہ کے پس و پیش کے بعد آپ نے پوچھا

"ہاں ---- چلیئے " میں نے کہا ---

میں کپڑوں کے کمرے سے اپنی چادر لانے کو جانے لگی۔ مجھے یاد آیا کہ میرے برن والے دوست نے میرے اور اپنے کپڑے ایک ساتھ داخل کر لیئے تھے۔ اور ٹکٹ اس کے پاس تھا۔ اس کے پاس جانا اور مانگنا ناممکن تھا۔ اور اپنے ساتھ رہنے کے اس موقعہ کو چھوڑ دینا جس کی میں برسوں سے منتظر تھی اور بھی زیادہ ناممکن تھا۔ میں نے فوراً طے کر لیا۔ میں نے اپنی شال سنبھالی اور آپ کے ہمراہ اس شبنم آلود رات کو چل دی۔ صرف چادر ہی سے بے پردہ ہو کر نہیں بلکہ اس نیک طینت شریف مزاج آدمی سے بھی بے نیاز ہو کر جس کے ساتھ برسوں سے رہ رہی تھی ------ اس حقیقت سے بھی بے نیاز ہو کر کہ اسطرح سب لوگوں کے سامنے اُسے چھوڑ کر چلے جانے سے میں اس کو، اس کے دوستوں کی نظر میں۔ ایک شخص کی سی مضحکہ خیز اور نفرت انگیز حالت میں پیش کر رہی ہوں جس کی بیوی ایک اجنبی شخص کا اشارہ پا کر اُسے چھوڑ دے۔ اپنے دل میں، میں خوب اچھی طرح واقف تھی کہ میں ایک شریف دوست

کے ساتھ کس قدر کمینہ پن، کس قدر ناشکری، کس قدر احسان فراموشی کا برتاؤ کر رہی ہوں۔ میں جانتی تھی کہ یہ میری شدید جذباتی غلطی ہے۔ اُسے مجھ سے ہمیشہ کے لئے بیگانہ بنا دے گی۔ میں جانتی تھی کہ میں مصیبتوں کو دعوت دے رہی ہوں۔ مگر میرے لئے اس کی دوستی کیا تھی، خود میری زندگی کیا تھی۔ بمقابلہ اس اتفاقیہ موقع کے جب میں پھر آپ کے لبوں کا لمس اپنے لبوں پہ محسوس کروں گی۔ جب میں آپ کے آواز کی زیر و بم سنوں گی۔ اب جب کہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ میں آپ کو بتا سکتی ہوں کہ مجھے آپ سے کس قدر محبت تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مجھے بستر مرگ سے بھی بلوائیں تو بھی مجھ میں اتنی طاقت آ جائے گی کہ میں اُٹھ کر آپ کی دعوت پہ لبیک کہہ سکوں!

دروازہ پہ ایک کرایہ کی موٹر کھڑی تھی اور ہم اس میں بیٹھ کر آپ کے مکان روانہ ہوئے۔ ایک دفعہ پھر بھی آپ کی آواز سن سکتی تھی۔ ایک دفعہ پھر میں نے آپ کے قریب کی وجدانی کیفیت کی مسرت محسوس کی۔ اور بہت عرصہ پہلے کی طرح اس وقت بھی مسرت و پریشانی کی کثرت سے مجھ پہ ایک نشہ سا چھا گیا۔ میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی کہ جب ہم اس مانوس زینے پہ چڑھ رہے تھے تو کس طرح میں نے وہ تمام جذبات پھر محسوس کئے جو دس برس

پہلے کر چکی تھی۔ کس طرح میں بیک وقت ماضی و حال دونوں زمانوں میں زندگی بسر کر رہی تھی ـــــ میری تمام ہستی گویا آپ کی ہستی میں پیوست ہو گئی تھی۔ آپ کے کمروں میں کچھ خفیف سی تبدیلی ہوئی تھی۔ تصویریں بڑھ گئیں تھیں۔ کتابیں بہت زیادہ ہو گئی تھیں۔ فرنیچر میں ایک یا دو چیزوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ مگر سب ملا کر پہلے کی طرح نظروں سے مانوس معلوم ہوتا تھا۔ لکھنے کی میز پہ گلدان رکھا تھا۔ اور اس میں سفید گلاب کا پھول تھا۔ وہ پھول جو میں نے ایک دن پہلے اس عورت کی یادگار کے طور پر بھیجے تھے جس کو آپ بھول گئے تھے جس کو آپ نے نہیں پہچانا تھا۔ اب بھی نہیں جب کہ وہ آپ کے بالکل قریب تھی۔ جب آپ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ اور آپ کے لب اس کے لبوں پر ثبت تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر ایک گونہ راحت ہوئی کہ میرے فرستادہ پھول وہاں رکھے تھے۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ نے ایک اس چیز کی قدر کی تھی جو میری پیشکش تھی۔ جو آپ سے وابستہ میری زندگی کا سانس تھی۔

آپ نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ایک پُر شوکت رات ـــــ اور میں آپ کے ساتھ قیام پذیر رہی۔ مگر پھر بھی آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ جب میں آپ کی شفقت آمیز تھپکیوں اور محبت نواز بوسوں سے کانپ رہی تھی تو ظاہر تھا کہ آپ کے جذبات ایک محبت کرنے والی محبوبہ اور ایک بازاری عشوہ فروش میں کوئی امتیاز نہیں کرتے ـــــ یہ ظاہر تھا کہ آپ کے بے پناہ لاپروائی سے صرف کئے ہوئے جذبات

الفت کو صرف اپنے ہی اظہار سے سروکار تھا، مجھ پر ایک اجنبی پر جس کو آپ نے رقص گاہ سے پکڑ لیا تھا۔ اس قدر مہربان تھے۔ اس قدر شفیق ہو گئے تھے۔ کہ آپ مجھ سے بے عزتی کا برتاؤ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور پھر بھی آپ چھا جانے والے، مغلوب کر لینے والے جذبے سے معمور تھے۔ مسرت گذشتہ سے سرشار ہو کر میں پھر آپ کی فطرت کے دونوں رخوں سے واقف تھی۔ آپ کے دماغی و جنسی جذبات کی اس حیرتناک آمیزش سے واقف تھی جس نے بچپن ہی میں مجھے آپ کا غلام بنا دیا تھا۔ میں نے کسی دوسرے شخص کو اس لمحہ کے کیف سے اس قدر مکمل طور پر مغلوب ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے کسی شخص کو اس قدر زیادہ سپرد، اس قدر زیادہ بے خود ہوتے نہیں دیکھا جتنا کہ آپ کو — آپ کو کہ جن پر اس ساعت کے گزر جانے کے بعد ایک غیر مختتم اور سستگی لانے والی فراموشی طاری ہو جاتی۔ مگر میں بھی اپنے آپ کو بھول گئی۔ میں جو تاریکی میں وہاں آپ کے پاس لیٹی تھی کون تھی؟ کیا میں ایام گذشتہ کی برانگیختہ بچی تھی؟ کیا میں آپ کے بچے کی ماں تھی؟ کیا میں بالکل بیگانہ و اجنبی تھی؟ اس حیرتناک رات کی سب باتیں مل کر ایک ہو گئی تھیں۔ اور ایک جذبہ سرشاری کی حد تک مانوس، سرمستی کی حد تک نیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ یہ مسرت ہمیشہ تک باقی رہے۔ مگر صبح ہو گئی۔ ہم دیر میں اٹھے۔ آپ نے مجھے ناشتہ پر رکنے کے لئے کہا۔ کھانے کے کمرے میں جہاں انتظام ایک غیر مرئی ہاتھ نے کیا تھا۔ ہم چائے پر خاموشی

سے گفتگو کرتے رہے۔ پہلے کی طرح آپ نے ایک پُرجوش و مخلصانہ بےتکلفی کا اظہار کیا۔ اور پہلے کی طرح پھر کوئی بے تکے سوالات نہ تھے۔ میری بابت، رازجوئی کا کوئی شوق نہ تھا۔ آپ نے مجھ سے میرا نام دریافت نہیں کیا۔ میرا پتہ نہیں پوچھا۔ پہلے کی طرح اب بھی میں آپ کے لئے اتفاقیہ شکار تھی۔ ایک گمنام عورت تھی۔ ایک پُرجوش ساعت تھی۔ جو گزر جانے کے بعد اپنا کوئی نقش نہیں چھوڑتی۔ آپنے بتایا کہ آپ ایک لمبے سفر پہ شمالی افریقہ دو تین مہینے رہنے کے لئے جا رہے ہیں۔ ان الفاظ نے میری مسرت کو چور چور کر ڈالا۔ "ماضی، ماضی، ماضی اور فراموشی ——— !" میں آپ کے قدموں پہ گر کر التجا کرنا چاہتی کہ مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلیے۔ کہ بالآخر اس تمام زمانے کے گزر جانے کے بعد بھی آپ مجھے پہچان لیں! مگر میں کم ہمت تھی، بزدل تھی، کمزور تھی۔ میں صرف اتنا کہہ سکی "افسوس" آپ نے تبسم ریز آنکھوں سے مجھے دیکھ کر پوچھا "کیا تمہیں واقعی افسوس ہوا؟"

اب ایک لمحہ تک میں بے خودی کی حالت میں رہی۔ میں کھڑی ہو گئی اور آپ کو ٹکٹکی باندھے تکتی رہی۔ پھر میں نے کہا "جس شخص سے میں محبت کرتی ہوں وہ ہمیشہ سفری میں رہتا ہے۔" آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تکتی رہی، میں نے سوچا "اب، ہاں اب یہ مجھے پہچان لیں گے۔" صرف مسکرائے اور تسلی دیتے ہوئے بولے "کچھ عرصے کے بعد انسان واپس آجاتا ہے۔" "ہاں آجاتا ہے،"

مگر اس وقت وہ سب چیزیں فراموش کر دنیا ہے۔" میں نے کہا۔

میں نے ضرور ایک گہرے جذبے کے تحت یہ الفاظ ادا کئے ہونگے۔ چونکہ میرے لہجے کا آپ پر اثر ہوا۔ آپ بھی کھڑے ہوئے اور مجھے لطف و حیرت سے دیکھنے لگے۔ آپ نے اپنے ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیئے اور کہا "اچھی چیزیں فراموش نہیں کی جاتیں۔ میں تمہیں کبھی فراموش نہیں کروں گا۔" آپ مجھے بغور دیکھ رہے تھے۔ گویا آپ اپنے دماغ میں میرا ایک باقی رہنے والا عکس قائم کر رہے تھے۔ جب میں نے آپ کے ان پیوست ہو جانے والی نگاہوں کو اپنی ہستی کے اس جائزے کو دیکھا تو میں یہ خیال کئے بغیر نہ رہ سکی کہ اب آپ کی بے صبری کا طلسم آخر ٹوٹ جائے گا۔ "یہ مجھے پہچان لیں گے!" میں انتظار و امید سے لرز رہی تھی۔

مگر آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں آپ کی نظروں میں اس وقت سے زیادہ اجنبی و بیگانہ کبھی نہ تھی۔ چونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ جو آپ نے چند لمحوں کے بعد کیا۔

آپ نے مجھے پھر بوسہ ـــــ ایک پرجوش بوسہ دیا ـــــ میرے بال بکھر گئے تھے۔ اور ایک دفعہ پھر مجھے انکو سنوارنا پڑا۔ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے دیکھا ـــ اور جیسے ہی میں نے دیکھا میں شرم و نفرت کے جذبات سے بے قابو ہو گئی ـــ اور آپ چپکے سے میرے دستانوں پر دو نوٹ رکھ رہے تھے۔

میں بمشکل اپنے آپ کو چیخ اٹھنے سے روک سکی ۔ میں بمشکل اپنے آپ کو آپ کے رخسار پر طمانچہ مارنے سے روک سکی ۔ آپ مجھے اس رات کی قیمت ادا کر رہے تھے جو میں نے آپ کے ساتھ گزاری تھی ۔ مجھے ! جو بچپن میں آپ کے عشق میں گرفتار تھی ! مجھے جو آپ کے بچے کی ماں تھی ۔ ! آپ کے نزدیک میں صرف ایک بازاری عشوہ فروش تھی ۔ جو آپ کو رقص گاہ میں مل گئی تھی ۔ صرف یہ کافی نہ تھا کہ آپ مجھے بھول جائیں ۔ آپ کو مجھے ذلیل و خوار کرنے کی بھی ضرورت تھی ۔

میں نے جلدی سے اپنی چیزیں اٹھا لیں تاکہ جتنا جلد ممکن ہو سکے میں نکل جاؤں ۔ میں ایک شدید کرب محسوس کر رہی تھی ۔ میں نے مڑ کر اپنا ہیٹ دیکھا ۔ وہ سنگھنے کی میز پر رکھا ہوا تھا ۔ سفید گلاب کے گلدان کے پاس ۔۔۔ میرے پھول کے پاس ـــــ بے اختیار جی چاہا کہ میں ایک آخری کوشش آپ کی یاد کو تازہ کرنے کی اور کروں ۔

" کیا آپ مجھے گلاب کا پھول دیں گے ؟ " " ہاں ، ہاں "

آپ نے سب پھول گلدان سے اٹھاتے ہوئے کہا " مگر شاید یہ کسی عورت کے بھیجے ہوئے ہیں ۔ کسی عورت کے جو آپ سے محبت کرتی ہے ؟ " " ممکن ہے ۔ آپ نے جواب دیا ۔ " میں نہیں جانتا وہ میرے پاس بطور تحفہ آئے تھے ۔ مگر مجھے نہیں معلوم کس نے بھیجے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مرغوب ہیں ۔ " میں نے آپ

کو بغور دیکھا اور کہا "غالباً یہ آپ کو کسی عورت نے بھیجے ہیں۔ جس کو آپ فراموش کر چکے ہیں —"

میری آنکھیں ملتجی تھیں — "پہچانیے۔ ہاں اب تو مجھے آخری مرتبہ پہچان لیجئے۔"

مگر آپ کے تبسم میں دلآویزی تھی، پہچان نہ تھی۔ آپ نے پھر ایک دفعہ مجھے بوسہ دیا۔ مگر آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔

میں تیزی سے چلی گئی۔ چونکہ میری آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اور میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ انہیں دیکھیں۔ کمرے سے تیزی سے جانے میں دروازے پر میں آپ کے ملازم جان کے اوپر بم کے گولے کی طرح گر پڑی۔ اس کو حیرت ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ مجھ میں ایک پر جوش انہماک پیدا ہو گیا تھا وہ میرے راستے سے ہٹ گیا۔ اور میرے لئے سامنے کا دروازہ کھول دیا۔ اور جب میں تیزی سے گزر جانے والے لمحے میں اس نے مجھے پہچان لیا۔ جس نے بچپن کے بعد مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں اسکی اسقدر ممنون تھی کہ جی چاہتا تھا کہ جھکوں اور اس کے ہاتھ چوم لوں۔ میں نے اپنے دستانے سے وہ نوٹ گھسیٹ لئے جن سے آپ نے مجھے عذاب پہنچایا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ اس نے ایک مخصوص انداز میں مجھے غور سے دیکھا — چونکہ وہ اس ایک لمحہ میں مجھے اتنا سمجھ گیا تھا جتنا

آپ کبھی عمر بھر نہیں سمجھے ۔ ہر شخص میری تخریب کے پیچھے پڑ گیا۔ ہر شخص نے مجھے اپنی مہربانیوں کے بار سے داب دیا ۔۔ لیکن آپ نے مجھے کبھی نہیں پہچانا ۔

میرا بچہ —— ہمارا بچہ مر گیا ہے ۔ اب کوئی نہیں ہے جس سے میں محبت کر سکوں ۔ دنیا میں آپ کے سوا اب کوئی نہیں ۔ مگر اب میرے لئے کیا ہے ؟ —— آپ جنہوں نے مجھے کبھی نہیں پہچانا ۔ آپ جو مجھ سے اسطرح گذر گئے ۔ جیسے ایک آبشار سے گذر جاتے ہیں آپ مجھے اسطرح روندتے چلے گئے جیسے ایک پتھر کو روند کر چلے جاتے ہیں آپ مجھے ایک ابدی انتظار میں چھوڑ کر بغیر کسی خیال ، بغیر کسی التفات کے اپنے راستے پر چلے گئے ۔ ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ اب میں نے آپ کو پالیا ہے ۔ آپ کو ۔ اس پائی جا سکنے والی ہستی کو ، اس بچے کو پالیا —— مگر وہ آپ کا بچہ تھا ۔ رات کو وہ بے رحمی سے چپکے سے سفر کر چلا گیا ۔ وہ مجھے بھول گیا ہے ۔ اور اب کبھی واپس نہیں آئے گا ۔ میرے پاس آپ کی کوئی چیز نہیں ۔ کوئی بچہ نہیں ۔ کوئی لفظ نہیں ، تحریر کی کوئی سطر نہیں ۔ آپ کے حافظہ و یاد میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ۔ اگر کوئی شخص آپ کی موجودگی میں میرا نام لے تو آپ کے نزدیک وہ بالکل اجنبی و بیگانہ کا نام ہو گا ۔ کیوں مجھے مرنے کی خوشی نہ ہو جب میں آپ کے نزدیک ، مردہ ہوں ؟ کیوں مجھے جانے کی خوشی نہ ۔ جب آپ میرے پاس سے

چلے گئے ہیں —— :

میرے محبوب میں آپ کو الزام نہیں دیتی۔ میں اپنے سوز و غم سے اپنے غم و حرماں کو آپ کی پر مسرت زندگی میں داخل کرنا نہیں چاہتی۔ آپ ڈریں نہیں۔ میں آپ کو کوئی مزید تکلیف نہیں دوں گی۔ اپنی اس خواہش کی پیروی پہ کہ آپ کے سامنے ایک دفعہ اپنا دل کھول کر رکھ دوں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ اس مصیبت کے وقت مجھے معاف کر دیجئے۔ جب میرا بچہ مردہ پڑا ہے۔ صرف اسی ایک مرثیہ میں آپ سے گفتگو کروں گی۔ پھر میں پوشیدگی کی تاریکی میں لوٹ جاؤنگی۔ جیسے کہ ہمیشہ رہی ہوں۔ جب تک میں زندہ ہوں آپ میری آہ بھی نہیں سن سکیں گے۔ صرف موت کے بعد آپ کو یہ ترکہ پہنچیگا۔ اس کا ترکہ جس نے آپ کو تمام جاننے والوں سے زیادہ چاہا۔ اس کا ترکہ جس کو آپ نے کبھی نہیں پہچانا۔ اس کا ترکہ جو ہمیشہ آپ کے بلاوے کی منتظر رہی۔ اس کا ترکہ جسے آپ نے کبھی نہیں بلایا۔ غالباً جب آپ کو یہ میراث ملے گی تو آپ مجھے بلائیں گے تو یہ پہلا موقعہ ہوگا جب میں آپ سے بے وفائی کروں گی۔ چونکہ میں آپ کی آواز موت کی نیند میں نہ سن سکوں گی۔ میں آپ کی کوئی تصویر کوئی نشان نہیں چھوڑ رہی ہوں۔ جیسے کہ آپ نے کچھ نہیں چھوڑا۔ چونکہ اب کبھی آپ مجھے کبھی نہیں پہچانیں گے۔ زندگی میں یہی میری قسمت تھی۔ اور موت

میں بھی میری قسمت یہی ہو گی. میں زندگی کے آخری لمحوں میں آپ کو نہیں بلاؤنگی. میں بغیر آپ کو اپنے نام و صورت سے واقف کئے چلی جاؤں گی - موت مجھ پہ آسان ہو گی - چونکہ دور سے آپ اس کو محسوس نہ کر سکینگے - اگر میری موت سے آپ کو تکلیف ہوتی تو میں کبھی نہ مر سکتی -

میں زیادہ نہیں لکھ سکتی - میرے سر میں بہت گرانی ہے - میرے اعضا میں درد ہے - مجھے بخار آنے لگا ہے - مجھے لیٹ ہی جانا پڑے گا - غالباً سب کچھ ختم ہی ہو جائیگا - غالباً تقدیر مجھ پہ اس وقت مہربان ہو گی - اور مجھے اپنے بچے کا جنازہ نکلتے ہوئے نہیں دیکھنا پڑے گا - اور میں کچھ نہیں لکھ سکتی - خدا حافظ —— پیارے خدا حافظ - میں آپ کی بے انتہا ممنون ہوں - میں بے حد مسرور ہوں کہ میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے - اور آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا - گو آپ کبھی یہ نہ سمجھ سکیں گے کہ میں آپ سے کس قدر محبت کرتی ہوں - اور بایں ہمہ میری محبت آپ پہ بار نہیں ہو گی - میں آپ سے وابستہ رہوں گی -

یہی میری تسکین ہے - آپ کی شادمان و فرحاں زندگی میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی جان من! میری موت آپ کے لئے تکلیف و کلفت کا باعث نہ ہوگی - اس خیال سے مجھے راحت ہوتی ہے -

مگر کون —— آہ —— اب کون سالگرہ کے موقع پر سفید گلاب کے پھول بھیجا کرے گا؟ گلدان خالی رہے گا۔ میری زندگی کی وہ مہک وہ سانس جو میں ہر سال میں آپ کے کمرے میں پھونک دیا کرتی تھی اب نہ آئیگی۔

میری ایک آخری خواہش ہے —— پہلی و آخری خواہش ہے۔ اس کو میرے واسطے پورا کر دیجئے۔ ہمیشہ اپنے سالگرہ کے موقع پر۔ —— اس وقت جب آدمی کو اپنا خیال آتا ہے —— گلاب کے کچھ پھول لے کر گلدان میں رکھ دیا کیجئے۔ اس کو اس طرح کیجئے جیسے اور لوگ۔ ہر سال مردوں کی برسی کرتے ہیں۔ میرا اب خدا میں یقین نہیں رہا ہے اور اب اسی وجہ سے میں اپنے لیئے برسی کا فاتحہ و دعا نہیں چاہتی۔ میں صرف آپ میں یقین رکھتی ہوں۔ میں سوائے آپ کے اور کسی سے محبت نہیں کرتی۔ میں صرف آپ ہی میں زندہ رہنا چاہتی ہوں —— صرف سال میں ایک دن سکون و خاموشی کے ساتھ جیسا کہ میں ہمیشہ آپ کے قریب رہی ہوں۔

خدارا ایسا کیجئے .... میری پہلی و آخری تمنا ..... شکریہ شکریہ —— مجھے آپ سے محبت ہے .... خدا حافظ۔

اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خط گر پڑا۔ وہ دیر تک بغور سوچتا رہا

ہاں! اس کے ذہن میں ایک بھولی بسری سی دھندلی یاد تھی۔ ایک ہمسایہ کی بچی۔ ایک لڑکی۔ رقص گاہ میں ایک عورت کی اور تیز بہنے والے چشمے کی تہہ میں پڑے ہوئے سنگریزے کی ایغر مشکل اور دھیمی جھلملاہٹ کی طرح، دھندلی منتشر، پریشان یادیں۔ اس کے ذہن میں بہت سے سائے ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہوئے گزرے۔ مگر وہ تحلیل و متحد ہو کر اس کے دماغ میں ایک نقشہ نہیں پیش کر سکے۔ دنیائے احساسات میں بھولی ہوئی ایک یاد کی ایک متحرک جنبش تھی۔ مگر اس کے باوجود اچھی طرح کچھ یاد نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے محسوس ہُوا کہ اس نے سب باتوں کو خواب میں دیکھا ہے۔ ہاں بڑی وضاحت کے ساتھ اور اکثر دیکھا ہے۔ پھر بھی سب خواب کے واہمہ تھے۔ خیالی صورتیں تھیں۔ اس کی نظریں لکھنے کی میز پر رکھے ہوئے نیلگوں گلدان پر گئیں۔ وہ خالی تھا۔ برسوں سے وہ اسکی سالگرہ کے موقع پر خالی رہتا تھا۔ وہ کانپ اٹھا۔ اُسے محسوس ہُوا گویا کہ ایک غیر مرئی دروازہ دفعتاً کھل گیا ہے۔ ایک دروازہ جس میں سے دوسری دنیا کی ایک کپکپی پیدا کر دینے والی ٹھنڈی ہوا۔ اس کے محفوظ کمرے میں آ رہی ہے۔ اس نے موت کی آمد محسوس کی اور محبت کا ایک لافانی جذبہ اس کے دل میں اُبل پڑا اور اس مرحومہ کا خیال اس کے دماغ میں مضطرب تھا۔ دور سے آنے والی ایک صدائے موسیقی کی طرح غیر

مجسم و پُرجوش ! ________

○

ڈوبتا دل

ڈوبتا دل

○

کبھی کبھی تقدیر بغیر کسی شدید جھٹکے یا زور آزمائی کے کسی کے دل کو پاش پاش کر دینے پر قادر ہوتی ہے۔ اس میں انسانی جذبات سے کھیلنے کی ناقابل تسخیر قوت مخفی ہوتی ہے۔ جسے وہ اکثر تخریبی مقاصد کے لئے بروئے کار لاتی ہے۔ جو عجیب و غریب واقعات و سانحات کی صورت میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسباب و علل اور نتائج ہیں بعد پہ ہماری حیرانی کی حقیقی وجہ یہی ہے۔ نیز جسطرح کسی مرض کی ابتدا تشخیص کے بعد ہوتی ہے اسی طرح انسانی مقدر کا علم اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود کو اجاگر کرنے لگتی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ خارجی طور پر رونما ہو اندرون حیات برسر کار ہوتی ہے۔ اور جسم و جان میں ارتباط و اتصال پیدا کرتی رہتی ہے۔ خود آگہی ایسی صورت میں ذات کی دماغ سے زیادہ

اہمیت نہیں رکھتی۔ ——————— اور یہ شعور بہت بعد میں پیدا ہوتا ہے ۔ !

نوروز کے موقعہ پر سلیموں سون اپنے خاندان کو گارڈن لے گیا۔ ایک رات شدید درد کی وجہ سے وہ نیند سے بیدار ہوا ۔ اس نے محسوس کیا کہ گویا اس کے جسم کو لوہے کے چھڑ سے بڑی طرح کوٹا گیا ہے ۔ اس نے سانس لینے میں بڑی طرح دقت محسوس کی ۔ اس کے معالج نے کارلسٹبڈ میں اُسے بتایا تھا کہ وہ گردے کی بیماری میں مبتلا ہے ۔ لیکن اس نے اپنے خاندان کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے طبعی مشورے کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی ۔ اور گارڈن چلا آیا ۔ یہ خدشہ محسوس کرتے ہوئے کہ کہیں یہ درد گردہ نہ ہو اس نے اپنے جسم میں بار بار انگلیاں چبھائیں اور جلدی ذہنی طور پر آسودہ ہو گیا ۔ گو درد بدستور جاری رہا ۔ اس نے خیال کیا کہ موجودہ تکلیف تکان اور پُر تکلف اطالوی کھانے کی وجہ سے ہے ۔ جس کا وہ عادی نہ تھا ۔ اور لذیذ کھانے کی خواہش نے اُسے علیل کر دیا ۔ بصورت دیگر وہ مطمئن تھا کہ موجودہ شکایت کسی طرح بھی درد گردہ نہیں ہو سکتی ۔ درد کی شدت ، اور اسکی اذیت کا احساس بڑھ رہا تھا ۔ بستر پہ لیٹے رہنا اب اس کے لئے دوبھر ہو چکا تھا ۔ جبراً و قہراً وہ بستر سے اٹھا اور کمرے میں بجھنی سے ٹہلنے لگا ۔ جس سے اس نے کچھ افاقہ محسوس کیا ۔ لیکن تنگ کمرہ اُسے محبس نظر آیا ۔

نیز اس کی بیوی قریبی چارپائی پہ سوئی ہوئی تھی۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ بیدار نہ ہو جائے۔ چنانچہ لبادہ جسم پہ ڈال کر وہ برآمدہ میں دبے پاؤں نکل آیا۔

جب اس نے خواب گاہ کا دروازہ کھولا تو نزدیکی گرجا کے گھڑیال کے بجنے کی آواز سنائی دی۔ چار بجے کا وقت تھا۔ طویل گلیارا تاریکی میں لپٹا ہوا تھا۔ لیکن بوڑھا اپنے گرد و پیش سے اچھی طرح واقف تھا۔ برآمدہ کشادہ اور بڑا تھا۔ وہ گہری سانس لیتا ہوا ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا چکر کاٹنے لگا۔ اور ہر چکر کے بعد پہلے سے کچھ بہتر ہی محسوس کر رہا تھا۔ درد و کرب کے احساسات تیزی سے ختم ہو رہے تھے اس کثرت نے اس پہ اسی قدر خوشگوار اثر مرتب کیا۔ کہ وہ اب دوبارہ کمرے میں جا کر سو جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ اس اثنا میں دروازہ کھلنے کی آواز نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اندھیرے میں سرگوشیانہ لہجہ میں کی ہوئی باتیں بھن بھن کرتی اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ پھر دروازہ کھلنے کی "چوں چوں" ہوئی۔ ——— سرگوشی ——— پھر اندھیرے میں قدموں کی چاپ کی آواز اٹھی ——— پھر اندھیرے کو روشنی کی ایک تیز لہر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جو دروازہ کا پٹ کھولنے کی وجہ سے باہر آئی تھی۔ بوڑھے نے خود کو جلدی سے آڑ میں کر لیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ

....

تعجس نہ تھا! بلکہ اُسے اپنے وقار کا خیال تھا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں اس کی شب بیداری اور شب گشتی دیکھ نہ لی جائے۔ ہر چند اس نے خود کو گلی بارے میں روشنی کی زد سے پہلے آڑ میں کر لیا تھا۔ اس کے باوجود تیز روشنی میں سفید لباس پہنے ایک نسوانی ہیولا اُسے نظر آ چکا تھا۔ اس نے دوبارہ دروازہ بند کرنے کی آواز سنی، پھر مکمل سکوت چھا گیا۔

بوڑھا لنڈ کھڑا گیا۔ اس کے تاب پہ ضرب پڑی۔ کیونکہ جس سمت سے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کا شور سنائی دیتا تھا اس طرف کے کمروں میں اسکی بیوی اور بیٹی مقیم تھیں۔ دروازے پہ نظر آنے والا سراپا یقیناً اس کی بیوی کا نہ تھا۔ چند منٹ پہلے وہ اُسے گہری نیند میں سوتا چھوڑ آیا تھا۔ چنانچہ یہ خیال کر لینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ کہ وہ اسی کی بیٹی تھی — ایمیلیا ———— اُنیس سالہ نوجوان بیٹی — !

اس نتیجے پہ پہنچتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ ———— ! لیکن یہ ایمیلیا کیونکر ہو سکتی ہے؟ یہ سچ ہے کہ دوسرا پر جوش نوجوان تھا۔ لیکن اس کی بیٹی بچی سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ یقیناً اُسے غلط فہمی ہوئی۔ لیکن وہ نوجوان اس اجنبی و تاریک کمرے میں کیا کر رہا تھا سوائے اس کے ....؟ اس نے اس خیال کو ذہن سے کرید کر پھینک دینے کی کوشش کی۔ جیسے وہ خونخوار درندہ تھا۔

جو اس پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ لیکن وہ نجات نہ پا سکا۔ وہ کسی قیمت پر بھی اصل حقیقت سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ سانس لینے کی جدوجہد کرتے ہوئے وہ اپنی بیٹی کے کمرہ کی جانب چلا جو اس کے اپنے کمرہ سے ملحق تھا۔ اس بند دروازے کے قفل کے روزن سے ہلکی روشنی باہر نکل رہی تھی۔ پھر اس نے سوئچ دبانے سے پیدا ہونے والی آواز سنی۔ اور دوبارہ اندھیرے نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب یہ خیال کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوا تھا بیکار دلیل تھا۔ یہ ایک نیا ہی تھی۔ اس کی بیٹی ایک نیا، جو رات کے چار بجے اجنبی بستر سے اٹھ کر واپس آئی تھی۔ بوڑھا سلیمون خوف و دہشت سے کانپ اٹھا۔ وہ ٹھنڈے پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ اس کے دل میں آیا کہ وہ زور زور سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جائے اور اس بے حیا عورت کو اچھی طرح زدوکوب کرے۔ لیکن اس کے قدموں نے ساتھ نہ دیا۔ وہ بمشکل اپنے کمرے میں پہنچنے کے لئے قوت مجتمع کر سکا۔ کمرہ میں پہنچتے ہی پلنگ پر دھڑام سے گر پڑا۔

اسی حالت میں وہ بستر پہ دراز اندھیرے کو گھور رہا تھا۔ قریبی پلنگ سے اسکی بیوی کے خراٹے کی آواز آ رہی تھی۔ اُسے اٹھانے کا خیال دل میں پیدا ہوا تھا کہ وہ اُسے یہ خوفناک کہانی سنائے۔ اور اپنے سنسان دل کا بوجھ کچھ ہلکا کرے۔ لیکن وہ آواز نہ دے سکا۔ یہ اس کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔

پھر وہ کیا کرے؟

وہ تبصرہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس کے خیالات برانگیختہ تھے۔ وہ چمگادڑ کی طرح اندھیرے میں پھڑپھڑا رہے تھے۔ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہے تھے۔ ایرینا ــ اسکی نیک بخت لڑکی عمدہ عادات و اطوار رکھنے والی ــ شرمگیں ــ درد بھری آنکھیں ...... بہت دن نہیں گزرے

کہ وہ اُسے نصاب کی کتابوں میں محو پاتا تھا۔ اور اس کی مخروطی تپلی تپلی انگلیاں سطروں پر پھرا کرتی تھیں۔ گویا وہ انتہائی محنت سے مطبوعہ حروف کو حفظ کرنا چاہتی تھی۔

یہ اس زمانہ کی بات ہے جب وہ ہلکا زردی مائل نیلی فراق پہنے سکول سے واپس آیا کرتی تھی۔ اور پھر اُسے حلوائی کی دکان پہ لے جاتا تھا۔ اور وہ لڑکی انتہائی پرجوشی سے اس کے بعد اپنے باپ کا بوسہ لیا کرتی تھی۔ یقیناً یہ کل کی بات ہے! نہیں!! اس کے بعد کئی سال گزر گئے۔ لیکن اس کے باوجود یہ کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ بچوں کی طرح تماشا کر رہا تھا۔ اس سے ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ کی باتیں کر رہا تھا۔ اُسے اُونی جرسی خریدنے پر ضد کرتا ہوا دیکھ رہا تھا جو ایک دکان کے نمائشی حصہ میں رکھی ہوئی تھی۔ "براہِ کرم۔ براہِ کرم" اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اسے پکڑے کہہ رہی تھی۔ اور ایک پُراعتماد اور دلآویز مسکراہٹ ہونٹوں پہ کھیل رہی تھی۔ جسے دیکھ کر اُسے اونی جرسی خریدنے پہ تیار ہونا ہی پڑا تھا۔ وہ ایک ایسا ہی انداز تھا کہ وہ اُسے مایوس کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اور اب وہ اپنے کمرے میں رنگ آئی۔ ایک اجنبی شخص کے بستر سے اتر کر!

"خدایا۔ خدایا۔ اے خدا" سلیمون سون بڑبڑایا۔ "آہ کیسی بے حیائی ہے! کیسی بے عزتی ہے!! میری ننھی لڑکی کتنی عمدگی سے اس کی پرورش کی گئی ہے۔!!! آخر وہ کون شخص ہو سکتا ہے؟ ہمیں یہاں آئے ہوئے صرف تین دن

ہوئے ہیں۔ وہ ان نوجوان بانکے چھیلوں سے اس سے پہلے ہرگز نہ ملی ہو گی۔ اور نہ ہی چوڑے جبڑوں اور لمبی ٹھوڑی والے کاؤنٹ آف بدی اور نہ ہی اطالوی آفیسر سے۔ اور نہ ملکس برگ کے شریف زادہ جوگی سے۔ اس کی تھوڑی بہت جان پہچان یہاں آنے کے بعد رقص گاہ میں لوگوں سے ہوئی ہو گی۔ چنانچہ میرا خیال ہے کہ یہ پہلے ہی کی شناسائی ہے۔ یہ پہلی ملاقات کا ردِ عمل ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ یقیناً کوئی پرانی داستان ہے۔ یقیناً اس کی ابتدا گھر پر ہوئی ہو گی اور میں۔۔ ایک احمق — مجھے ذرہ برابر بھی کبھی شبہ نہ گزرا۔ بہر کیف میں ان لوگوں کے متعلق جانتا بھی کیا ہوں؟ میں دن بھر ان کے لئے کام میں مصروف رہتا ہوں۔ چودہ گھنٹے لگاتار کام کرتا رہتا رہتا ہوں۔ جسطرح ایک زمانہ پہلے میں نمونوں کا صندوق اٹھائے گلی کوچوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ میری یہ تمام ریاضت و محنت و مشقت صرف اس لئے تھی کہ میں ان کے لئے روپیہ کماؤں — دولت کماؤں۔ — بے شمار دولت تاکہ وہ قیمتی کپڑے خرید سکیں۔ اور دولت کے نشہ میں سرمست رہیں۔ مسرور و شاداں رہیں۔ اور جب شام کو گھر واپس آتا، مردہ و افسردہ اور تھکان سے چور چور تو وہ تھیٹر گئے ہوئے ہوتے یا شام کی کسی دوسری تقریب میں یا رقص کے لئے۔ چنانچہ میں یہ کیونکر جان سکتا تھا کہ وہ اپنا دن کسطرح گزارتے ہیں۔ صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رات کے وقت میری بیٹی نے اپنا نوجوان جسم ایک اجنبی مرد کے حوالہ کر دیا۔ بالکل

اسی طرح جیسے وہ گلی کوچوں میں پھرنے والی ہو! لعنت! بے عزتی! ہائے عزت!!

وہ ایک مرتبہ پھر بڑبڑایا۔ ہر نیا خیال اس کے زخمِ دل کو مزید گہرا کر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ گویا اس کا دماغ پھٹ چکا ہے۔ اور سرخ ریزے اس کے آنسوؤں میں آمیز ہو گئے ہیں۔

یہ سب میں کیوں سوچ رہا ہوں؟ میں یہاں پڑا ہوا خود کو ہدف ملامت کیوں بنا رہا ہوں۔ جبکہ وہ ننھی خرافہ آرام سے محو استراحت ہے۔ کیوں نہ میں جا کر اسے بتا دوں کہ میں اس کی بے آبروئی سے واقف ہو چکا ہوں؟ صرف اس لئے کہ میں کمزور ہوں؟ میں بزدل ہوں۔ میں ماں بیٹی کے معاملہ میں ہمیشہ کمزور و بےبس رہا ہوں۔ ہمیشہ انہیں کھلی آزادی دی ہے۔ میں ان کی زندگی کو پر عافیت بنانے میں ہمیشہ مسرت محسوس کرتا رہا ہوں۔ روپیہ جمع کرنے کی جھد میں اپنی مصلحتوں کو چھپا لوں سے پر کر لیا۔ پیسہ پیسہ جوڑ کر رکھتا تاکہ ان کی احتیاجات شاندار طور پر پورے ہوتے رہیں۔ اور جیسے ہی وہ امیر ہو گئیں وہ مجھے اپنا کہتے ہوئے شرم محسوس کرنے لگیں۔ اب میں ان کے معیار مذاق سے گر گیا۔ ان کی نگاہوں ہی میں بغرنقتہ ہو گیا۔ میں اس کے علاوہ ہو ہی کیا سکتا تھا؟ بارہ برس کی عمر میں مجھے سکول چھوڑنا پڑا۔ اور رزق کی تلاش میں مونوں

کا صندوق لے کر گاؤں گاؤں پھرنا پڑا ۔ اس کے بعد میں شہروں میں سودا کرنے پر مقرر کیا گیا ۔ یہ صورت حال اس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ میں نیا الگ کاروبار شروع نہ کر سکا ۔ جب میں معاشرتی اعتبار سے بلند ہو گیا ۔ اور ذاتی مکان میں رہنے لگا ۔ تو میرا پرانا اچھا نام ان کے لئے موزوں نہ رہا ۔

چنانچہ مجھے اپنے نام کے ساتھ خیراتی کا لقب لگانا پڑا ۔ تاکہ وہ صرف مسز سلیمون سون کے نام سے نہ پکاری جایا کرے ۔ وہ اشرافیہ بننا چاہتی تھی ۔ جب میں اشرافیہ کے جملہ خصوصیات پر احتجاج کرتا تو وہ دونوں ماں بیٹی مجھ پر ہنسا کرتی تھیں ۔ جب میں ان کے نام نہاد اچھی سوسائٹی میں جانے پر اعتراض کرتا ۔ جب میں یہ بتاتا کہ میری ماں ۔ خدا اسے غریق رحمت کرے ۔ وہ کیونکہ گھر میں گرہستی کی زندگی کو خوشگوار اور آرام دہ بنائے رکھتی تھی ۔ وہ مجھے پرانی وضع کا آدمی کہا کرتی تھیں ۔

" آپ پرانی وضع کے ہیں ابا ! پرانی وضع کے ۔ وہ مضحک انداز میں کہا کرتی تھیں ۔ ہاں میں قدیم بود و باش اور وضع کا آدمی تھا ۔ اور اب میری بیٹی ، میری اکلوتی بیٹی نے ۔ ایک اجنبی شخص کے بستر پر شب بسر کی تھی ۔ بے حیا ! بے شرم ! فرط جذبات سے وہ اس قدر بے قابو ہو گیا کہ خود پر قابو پانے کے باوجود اس کی آہیں اکثر بلند و پر شور ہو رہی تھیں ۔ جس سے اس کی بیوی خواب سے بیدار ہو گئی ۔

"کیا ہے ؟" نیم بیداری میں اس نے پوچھا۔ بڈھے آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس وقت سانس روکے رہا۔ جب تک کہ اُس کی آنکھیں بند نہ ہوگئیں۔ اس کے بعد صبح کا پھریرا لہرایا۔ یہ اٹھ جانے کا وقت تھا۔ وہ بے حس و حرکت لیٹا تھا۔ دماغی اذیت اور صدمہ نے اسے افسردہ کردیا تھا۔ اور اس وقت بھی خطرناک قسم کے خیالات اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

ناشتہ کی میز پہ آنے والوں میں وہ پہلا شخص تھا۔ وہ بے کیفی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ غذا اس کے حلق میں کھنچتی محسوس ہو رہی تھی۔

تنہا اس نے سوچا۔ ہمیشہ تنہا۔ جب صبح کو دفتر جانے کے لئے تیار ہوتا ہوں وہ اس وقت تک سوئی رہتی ہیں۔ بستر پہ لوٹتی پوٹتی رہتی ہیں۔ بقیہ اور رقص کی تکان کو دور کرنے کے لئے جمائیاں لیتی رہتی ہیں۔ اور جب میں شام کو گھر واپس آتا ہوں۔ کیونکہ وہ تفریح کے لئے باہر سیر گشت کرنے کے لئے جا چکی ہوتی ہیں۔ وہ یقیناً میری موجودگی کو پسند نہیں کرتیں — دولت لعنت ہے، دولت پہ، اس نے انہیں تباہ کر دیا۔ مجھ سے انہیں چھین لیا۔ میں بھی کس قدر احمق ہوں، میں نے دولت کا انبار ان کے لئے لگا دیا۔ لیکن خود لٹ گیا۔ خود

کو ہیں نے نقیر بنا لیا۔ اور انہیں بدعنوان کر دیا۔ میں نے تقریباً پچاس سال تک پریشان حالی اور تنگدستی میں بسر کی ہے۔ ایک دن کی بھی فرصت پہ بھی جز بہ ہونا رہا ہوں۔ کیا اس لئے کہ بالآخر دنیا میں تنہا اور بے یار و مددگار ہو جاؤں؟

وہ زیادہ بے چین و بے قرار ہونے لگا۔ وہ آخر بیدا ابھی کیوں ہوئی؟ میں اس سے بے روک ٹوک بات کیوں نہ کر لوں؟ ہم یہاں سے فوراً کیوں نہ چلے جائیں۔ وہ کیوں اب تک نہیں آئی؟ میرا خیال ہے کہ اب تک گہری نیند میں ہے۔ اس کا ضمیر مردہ ہے۔ جب میں احمق ــــ جیسا کہ میں ہوں۔ یہاں بیٹھا ہوا اپنا دل خون کر رہا ہوں اور جہاں تک کہ ماں کا تعلق ہے وہ گھنٹوں سنگار میز کے سامنے بننے سنورنے پہ صرف کرتی ہے۔ ناخن پہ پالش کرنے، گیسو کے خم و پیچ کو درست کرنے کے بعد بمشکل کہیں وہ گیارہ بجے تک صورت دکھائی ہے۔ چنانچہ میرا خیال ہے کہ فطری طور پہ اس کی بیٹی کو برباد ہونا ہی چاہیئے تھا۔ دولت: منحوس بابا۔

قدموں کی ہلکی چاپ معدوم ہو گئی۔ ایرینیا اس کی پشت پہ کھڑی تھی ــــ "صبح بخیر۔ ڈیڈ رات خوشگوار گزری؟" لڑکی اس پہ جھک گئی اور اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ اس نے آہستگی سے اپنا سر کھینچ لیا۔ نہ صرف اس لئے کہ اس کے بالوں میں لگی خوشبو اسے ناپسند تھی۔ بلکہ ....!

"کیا بات ہے ابا! آج آپ بھی پریشان نظر آتے ہیں۔

۔ کیا رات نیند نہیں آئی ؟ یا پھر کوئی منحوس خبر سنی ہے ؟"

بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا ۔ کیونکہ اس سے آنکھیں ملانے کی تاب نہ رکھتا تھا ۔ وہ صرف اس کا ہاتھ میز پر رکھا ہوا دیکھ رہا تھا ۔ — ان ہاتھوں کا وہ کسقدر والا و شیدا تھا .... اس کی بیوی کی طرح وہ ہاتھ .... صاف ستھرے اور پالش کیے ہوئے ناخنوں والے سبک ہاتھ .... اب وہ دلفریب ہاتھ میز پوش پہ گردش کر رہے تھے ۔ وہ کانپ اٹھا ۔ اس کی نگاہیں آہستہ آہستہ اس کے پھیلے ہوئے شانوں تک اٹھیں ۔ بہت دن نہیں گزرے کہ وہ ان شانوں کو جب وہ شب بخیر کہا کرتی تھی تو فرط مسرت سے تھپتھپایا کرتا تھا ۔ اس نے اس کے متناسب ابھار کو دیکھا جو اونی جرسی کے نیچے سانس لیتے وقت زیر و بم پیدا کر رہا تھا ۔

" ایک اجنبی کل شب ان چیزوں سے کھیل رہا تھا ۔" اس نے تلخی سے سوچا ۔ " اس وحشی درندے نے انہیں چھوا ہوگا ۔ انہیں استعمال کیا ہوگا ۔ اور تمام لطافت و لذت سے اکتساب نشاط کیا ہوگا ۔ میرا اپنا گوشت و پوست ۔ ! میری اپنی لڑکی " ....

غیر شعوری طور پر اس نے گہری سانس بھری ۔" کیا بات ہے آبا جان اس نے پیار سے پوچھا :" بات کیا ہوگی ؟ " اس کے ذہن میں الفاظ ترتیب پا

رہے تھے۔ لیکن اس کی زبان سے کچھ نہ نکلا۔ میری بیٹی بیسوا بن چکی۔ اور مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ میں اس پر یہ ظاہر کرسکوں کہ میں بے خبر نہیں ہوں۔"

چنانچہ وہ اس قدر بولا "کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔" اس نے اخبار اٹھالیا اور استفہامیہ نظروں سے بچنے کے لئے اس سے آڑ بنالی۔ اس نے محسوس کیا کہ اب نگاہ دوچار کرنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

"موقع ہے بات کرلو۔ اسی وقت کیوں کہ ہم دونوں تنہا ہیں۔"

یہ خیال اس کے دماغ میں ضرب لگا رہا تھا۔ لیکن قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔

اچانک وہ کھڑا ہو گیا۔ کرسی کو پیچھے کی طرف زور سے دھکیلا۔ اور سست قدم اٹھاتا ہوا فرنچ وضع کے پھاٹک سے باغ میں داخل ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ ثانیہ میں اس کی آنکھیں ساون بھادوں کا منظر پیش کرنے والی ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ابھی نیا اُسے اشکبار دیکھے۔

بیچارہ بوڑھا باغ میں ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ باغ کی جھیل کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اور بڑی دیر تک اُسے گھورتا رہا۔ ہر چند اسکی آنکھیں آنسوؤں میں تیر رہی تھیں۔ وہ مناظر کی دلکشی اور رعنائی کو دیکھنے سے عاجز نہ تھا۔ چاندی جیسا پانی چاروں طرف سلیٹی پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ دامن میں سبزہ اُگا ہوا تھا اور جس کے کنارے جھیل کے قد آور درخت قطار اندر قطار کھڑے تھے۔ اس سے ذرا فاصلے پر ڈھلوان پہاڑی تھی۔ وہ ان خوشنما مناظر اور جھیل کو انتہائی معصومیت سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے کوئی سنجیدہ انسان پیارے معصوم بچوں کے کھیل کو دیکھے۔

قید زماں سے آزاد یہ رحمت خدا کی مسکراہٹ کسقدر بے تکلف

طمانیت بخش اور پھولوں کو شاداب، اور سبزیوں میں لہلہاہٹ پیدا کرنے والی تھی۔ کس قدر یہ عطیہ خداوندی تمام اور انسانی روح کے لئے نشاط و انبساط باعث تھا۔

"نشاط! طمانیت!!" بوڑھے نے اپنے سر کو اداسی سے جنبش دی۔ ہاں! ایک شخص یہاں خوش رہ سکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں بھی خوش رہونگا۔ یہ خیال مجھے کسقدر اچھا معلوم ہوا تھا کہ دنیا کسقدر روشن ہے۔ تمام جھمیلوں سے آزاد۔ پچاس برس تک محنت و مشقت، کاروبار، نکتہ گیری، حساب و کتاب کا مدعا صرف یہ تھا کہ چند خوشگوار دن نصیب ہوں۔ اس سے پہلے کہ دائمی نیند اپنی آغوش میں لے لے۔ ایک مرتبہ تو فراغت کی زندگی نصیب ہو۔ جب انسان پینسٹھ برس کی عمر کا ہو جاتا ہے تو موت اس کے شانوں کو تھپتھپانے لگتی ہے۔ دولت اسکی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ اور نہ ڈاکٹر ہی مسیحائی کر سکتے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے آرام کا سانس لے سکوں۔ چند دن آرام و آسائش سے گزار سکوں، میرا باپ کہا کرتا تھا کہ مسرت ہم جیسے لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ ہمیں قبر تک اپنا بوجھ لے جانا چاہیے۔ کل تک میں یہ محسوس کرتا تھا۔ اس کا اندازہ غلط نہ تھا۔ بالآخر مسرت کی چند گھڑیاں مجھے میسر آئی تھیں کل — میں خوش تھا۔ اپنی ہنس مکھ اور حسین بیٹی کو دیکھکر پھولا نہ سماتا

تھا۔ اس کی مسرت پہ مسرور ہو رہا تھا۔ خدا نے مجھ سے یہ مسرت چھین لی۔ اس نے مجھے سخت سزا دی۔ .... یہ لمحاتی کیفیت ختم ہو گئی۔ اب میں کبھی اپنی بیٹی سے بات چیت نہیں کر سکتا۔ اس سے نگاہیں ملاتے ہوئے حیا آتی ہے۔ میں ہمیشہ اس کے متعلق سوچا کرتا تھا۔ اپنے گھر میں، دفتر میں، رات کے وقت، جب سونے کے پلنگ پہ دراز ہوتا۔ غرضیکہ جہاں بھی ہوتا۔ میرا دل اسی طرف لگا ہوتا۔ وہ اس وقت کہاں ہو گی؟ کیا کر رہی ہو گی؟ دوبارہ وہ خوشی مجھے میسر نہیں آئے گی۔ جو مجھے پہلے گھر پہ میسر آیا کرتی تھی۔ جب وہ مجھے باہر سے آتا دیکھ لیتی دوڑتی ہوئی خیر مقدم کرنے آیا کرتی تھی۔ میں اسے دیکھا کرتا تھا۔ اپنی جوان اور خوبصورت بیٹی کو۔ جب وہ مجھے پیار کرتی تھی۔ میں ہمیشہ خود سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ ان ہونٹوں کو آخری مرتبہ کس نے چوما تھا۔ جب وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہوا کرتی تو میں پریشانی میں مبتلا ہو جایا کرتا تھا۔ اور پھر اسکی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے خود ہی خود شرمندہ ہو جایا کرتا تھا۔ اب وہ زندگی واپس نہیں آ سکتی۔ بوڑھا ادھر ادھر بے مقصد ٹہلتے ہوئے خود کلامی کر رہا تھا۔ وہ ظاہراً شراب کے نشہ میں بدمست نظر آ رہا تھا۔ بار بار وہ جھیل کی جانب کھنچا جا رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جس کی وجہ سے اسے اپنا چشمہ اتارنا پڑا۔ اور جب وہ ایک

طرف یوں ہی کھڑا خلا میں گھور رہا تھا۔ تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے۔ جس سے اس کی عجیب و غریب ہیئت بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ ادھر سے گزرتا ہوا۔ باغبان کا لڑکا اسے دیکھ کر ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر طنز کی زبان میں فقرہ چست کیا۔ جس سے بیمون پھر حقیقی دنیا میں آ گیا۔ یقیناً وہ خود کو عجیب بنائے ہوئے تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ تنہا۔ ع عام سے دور کسی کنج تنہائی میں جا کر بیٹھ جائے جہاں وہ اپنے غم کے ساتھ چند لمحے اکیلا گزار سکے۔ بمشکل ہی اسے اپنی پسند کی جگہ ملی تھی کہ اس نے ہنسنے کی آواز سنی .... جانا پہچانا انداز .... جو اب اس کے دل کو پارہ پارہ کر رہا تھا۔ گذشتہ انیس سال سے یہ قہقہہ اس کے لئے موسیقی کی مانند تھا۔ اس قہقہہ کی خاطر وہ اکثر لیوران اور ہنگری کا پر از صعوبت سفر تیسرے درجہ میں رات کے وقت کیا کرتا تھا۔ تاکہ کم خرچ کرکے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر سکے اور اپنی دُلاری بیٹی کے لئے آرام و آسائش مہیا کر سکے۔ اس قہقہہ کی خاطر اس نے اپنی صحت برباد کر لی تھی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ دولت مند ہونے کی صورت ہی میں وہ چاندی جیسے کھنکتے ہوئے قہقہہ کی آواز سن سکے گا۔ لیکن اب یہی آواز اس کے لئے وحشتناک بن چکی تھی۔ اور اس کے دل پر چھری کی طرح چل رہی تھی۔ .... بوڑھے کے دل میں یکبارگی اسے ہنستے ہوئے دیکھنے کی خواہش انگڑائی لے اٹھی۔ وہ

ٹینس کورٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ بلّہ گھوم رہا تھا۔ وہ خلا میں گیند اچھال کر لوٹ لینے کے کھیل میں مصروف تھی۔ فضا میں گیند اچھالتے ہوئے۔۔۔ انتہائی مسرت سے اس کی باچھیں کھل پڑتی تھیں۔ تین آدمی اسے کھیل میں مصروف دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کی شوخی و شرارت کی پُر تحسین نگاہوں سے تائید کر رہے تھے۔

یہ تین اشخاص خلائیین کے سوٹ میں کاونٹ اوبلاسکی، جیسٹ، یہ پیغام میں آفیسر اور گھوڑ سوار کے لباس میں جوکی تھے۔ بوڑھے کا قدم بے اختیار اسی طرف اٹھنے لگا۔ خدایا! وہ شرارٹ اسکرٹ میں کس قدر حسین نظر آرہی ہے۔ آفتاب کی شعاعیں اس کے بالوں پہ پڑ کر کیسی چمک پیدا کر رہی ہیں۔ اس کی نازک خرام کس طرح کمر میں لوچ اور لہراؤ پیدا کر رہی ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ نشہ میں ہے اور نشہ آور بھی۔ اب اس نے تین گیندیں تیزی سے یکے بعد دیگرے فضا میں اچھال دیں اور اب انہیں لوکنے کے لئے تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ بل کھاتا ہوئے سرونیہ کا منظر اس قدر جاذب نظر تھا کہ بے اختیار دل عش عش کر اٹھتا تھا۔ یہ انداز یہ روپ یہ رنگ اس کے باپ نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ شعلہ مستعجل ہے۔ مقدس زہرہ کی طرح — سدا بہار حسن پیچاپا کی پیاسی صورت پکڑ رہی ہے۔ یا پھر جھیل کے نیلے پانی سے ابھر آئی ہے۔ اس سے پہلے کبھی بھی اس نے اس قدر پرجوش اور

بیکراں جذبہ کا اظہار نہ کیا تھا۔ یا پھر یہ وہ ماحول کی خوابناکی سے مصالحت کئے ہوئے تھی۔ اس نے ایسے برانگیختہ کن جذبات کی طوفانی لہروں کا اظہار نہ کیا تھا۔ وہ اس قدر ماورائی حسن سے آراستہ و پیراستہ نہ ہوئی تھی۔

اُسے دیکھ کر اس کے باپ کے دل میں یہ خیالات پیدا ہوئے۔ تانیہ کے نئے صبح کی واردات اور تمام آگیں کیفیت کو وہ قبول کر بیٹھا۔ اور اُسے کوندتی ہوئی بجلی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ بالآخر جب اس نے تینوں گینڈوں میں سے آخری کو بھی ٹوک لیا۔ اور انہیں اپنی چھاتی سے لگایا تو تینوں نوجوان تالیاں بجاتے ہوئے ایک ساتھ چلا اٹھے "مرحبا" "مرحبا" ان کی آواز نے اُسے دوبارہ حقیقت کی دنیا میں لا کھڑا کیا۔ اور اس نے غضبناک ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"وہ ہیں . . . . وہ ہیچ لوگ" اس نے سوچا۔

"ان میں سے کون ہو سکتا ہے؟ ان تینوں میں وہ کون ہے؟" کس قدر خوش پوشاک ہیں یہ بیکار لوگ . . ! صاف ستھرے خوشبو لگائے . . . . . .

اور میری طرح کا انسان تو بس دفتر کا غلام ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے میز پہ سر نیوڑھائے ہوئے اور جو نا الیاب بے رنگ و آب کہ بنے ہوں بھی کوئی نہ دے۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کے باپ بھی خود کو اسی طرح دفتر کا غلام بنائے ہوئے ہوں۔

آج کل کے نوجوان آزادی پسند ہیں۔ اپنی مرضی سے جہاں ان کا دل آتا ہے جاتے آتے ہیں۔ خوش گپیوں اور خوش فعلیوں میں سارا دن گزار دیتے ہیں۔ انہیں کچھ خیال ہوتا ہے تو بناؤ سنگار کا۔ ان لوگوں کے لئے جب کہ وہ ہیں اپنی دھاک بٹھا لینی مشکل نہیں ہے۔ ان کو اسقدر جاذب نظر اور وجیہہ بنا لینے میں کوئی وقت محسوس ہوتی ہے۔ وہ ایک نادان لڑکی کو افسونِ محبت میں گرفتار کرکے تباہ کردیں۔ لیکن ان میں سے وہ کون ہو سکتا ہے؟ ان میں سے ایک یقیناً ہے۔ میں ایک کو اس کی طرف دیکھ کر اپنے ہونٹ چاٹتے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے رات کا واقعہ یاد کیا۔ اور اس رات کو تصور کیا جو لمحہ بہ لمحہ قریب ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اے کاش کہ میں اسے کتے کی طرح پیٹ پیٹ کر ہلاک کر دیتا۔

اس اثنا میں ان چاروں نے اسے دیکھ لیا۔ لڑکی نے ایک دلآویز ہنسی کے ساتھ اپنا ہاتھ ہلایا۔ اور نوجوانوں نے اسے سلام کیا۔ جس کا اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اپنی بھتیجی کو غصہ میں گھورنے لگا۔ اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

۵

سلیمون سمون وہاں سے بازار کی طرف نکل گیا اور چلتا چلاتا ایک دوکان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جس میں سیاحوں کی ضرورت کا سامان انتہائی نفاست اور سلیقہ سے نمائش و فروخت کے لئے رکھا ہوا تھا ——— قمیض، پاؤڈر، چھری کانٹے، چاقو اور لائسنس پہ فروخت کئے جانے والے وغیرہ ہتھیار ——— اس کی نگاہیں ایک بھاری ہتھے والے عصا پر مرکوز ہو گئیں۔

"کتے کو مار ڈالو" اس کے دماغ میں اسی خیال نے ہلچل مچا دی۔ ۔ ۔ وہ دکان میں داخل ہوا اور عصا خرید لیا۔ عصا کو مٹھی میں لیتے ہی اُسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ مضبوط و توانا ہے۔ اور یہ نظری بھی تھا کہ جب کسی کمزور

آدمی کے ہاتھ میں ہتھیار ہوتا ہے تو وہ خود کو بہادر محسوس کرنے ہی لگتا ہے۔ اس کے رگ و پٹھے میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور وہ عصا کو گھماتا ہوا دکان سے باہر نکل آیا۔

"کتے کو مار ڈالو" دوبارہ وہ بڑبڑایا۔ غیر شعوری طور پر اس کا پرجوشی مستحکم ہوئی۔ اور وہ تیزی سے گھر کی طرف قدم اٹھاتا ہوا بڑھا۔ اور اب وہ اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے ہانپنے لگا تھا۔ وہ جھیل کے کنارے والی سڑک سے ہوتا ہوا غصے سے مغلوب گھر پہنچا۔ اعصا کو گھماتے ہوئے وہ پرسکون اور مدھم روشنی والے ہال کے دروازہ پہ آگیا۔ اور اپنے حریف کو پرشوق نگاہوں سے دیکھنے لگا ـــــــــ تو یہاں ہیں یہ لوگ ـــــ وسکری کرسیوں پر بیٹھے ہوئے سوڈا اور وسکی پی رہے ہیں اور اپنا وقت خوش گپیوں میں گزار رہے ہیں۔ اسکی بیوی۔ اسکی بیٹی اور جمپ گارڈ سونت وہ تینوں اشخاص۔

"وہ کون ہے؟ وہ کون ہے؟" اس نے بھاری عصا کو گھماتے ہوئے، خود سے سوال کیا۔ "ان میں سے ایک کا دماغ گویا یقیناً باہر نکل آنا چاہیئے۔ لیکن وہ کون ہے؟"

اس کی پرتجسس نگاہوں کا مفہوم نہ سمجھتے ہوئے ایڈینا خیر مقدم کے لئے آگے بڑھی۔

" بالآخر آگئے ڈیڈی ! ہم چاروں طرف تلاش کر رہے تھے ۔۔۔۔

صرف برائے تفریح ۔ ہرزان میڈومنز ہم لوگوں کو اپنے کیبٹ میں کھیل ڈی زیلی زینو کی سیر کرانے کے لیے جا رہا ہے ۔"

وہ اپنے بوڑھے باپ کو آہستگی سے میز کی طرف لے آئی ۔ وہ پسندیدگی کا کوئی جملہ سننے کی متمنی تھی ۔

تینوں اس سے ہاتھ ملانے کے لیے کھڑے ہو گئے ۔ بوڑھا سہمون سہما نہ کھڑا رہ گیا ۔ لڑکی نے اس کا دایاں بازو پکڑ لیا ۔ اور اسکی انگلیوں کا لمس خوشگوار ثابت ہوا ۔ اس نے گویا خواب کی حالت میں ان تینوں سے مصافحہ کر لیا ۔ اداس وغمگین ان کے ساتھ بیٹھ گیا ۔ اور سگار دان سے ایک سگار نکال کر اس کے آخری سرے کو چبانے لگا ۔

اس کی آمد سے ایک لمحے کے لیے گفتگو رک گئی ۔ اور پھر فرانسیسی زبان میں زندہ دلی کا موضوع رواں دواں کرنے لگا ۔ بوڑھا آدمی خاموش انتہائی کرب میں مبتلا تھا ۔ وہ اپنے غصے کو سگار کا سرا چبا چبا کر دبا رہا تھا ۔ تاآنکہ بھورا تمباکو اس کے دانتوں کو رنگنے لگا ۔

" انہیں کون مورد الزام ٹھہرا سکتا ہے ؟ ان پر کون تہمت دھر سکتا ہے ؟"

اس نے سوچا ۔ " یہ میرا قصور ہے ۔ یہ میں ہی ہوں جس نے ان تینوں سے

ڈالو ملایا ہے۔ حالانکہ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے ایک نہ ہی بدمعاش حرامزادہ

ہے ۔۔۔۔ میں اس کے ساتھ ایک ہی میز پہ بیٹھا ہوں لیکن پھر بھی اس کا

سر کچل نہیں سکتا۔ ہائے میں نے صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی بجائے اس سے

ہاتھ کیوں ملایا؟ تو پھر انہیں مجھ پہ خندہ زن ہونے سے کون روک سکتا ہے۔

کون الزام دے سکتا ہے؟ وہ اسطرح محوِ گفتگو ہیں جیسے کہ میری موجودگی

بے معنی ہے۔ گویا میں مر چکا ہوں اور مجھے دفن کیا جا چکا ہے۔ امیلیا اور

اس کی ماں جانتی ہے کہ میں فرانسیسی نہیں سمجھتا۔ چنانچہ گفتگو اسی زبان میں شروع

کر رکھی ہے۔ وہ دونوں یہ جانتے ہوئے بھی صرف وضعداری قائم رکھنے کے

کے لئے بھی میری طرف متوجہ نہیں ہوتیں اور میں احمق کی طرح ان کا منہ تک رہا ہوں۔

۔۔۔۔ بالکل احمق ۔۔۔۔ !! میری حیثیت ان کے لئے صفر کے برابر ہے۔

میری موجودگی سوہانِ روح ہے۔ میں ان کے لئے بارِ خاطر ہوں ۔۔۔۔

کچھ تو ایسی باتیں ہیں جس سے وہ میری موجودگی میں شرمسار ہوتی ہیں۔ اور

جس سے وہ چھٹکارا پانا چاہتی ہیں۔ لیکن کیا انہی کے لئے میں نے بے

انتہا دولت جمع کی تھی۔ دولت، دولت، یہ ظالم دولت، یہ چڑیل دولت۔

یہ ڈائن ۔۔۔۔ اسی نے انہیں بداطوار بنا دیا ہے۔ یہ دولت

جس پہ خدا لعنت بھیجتا ہے ۔۔۔۔ پڑی ہوتی ہے نہ میری بیٹی نہ میری بیوی

میرے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھتی ہیں ۔ اور نہ کوئی ڈھارس بندھانے والا کوئی کلمہ کہتی ہیں ۔ ان کی تمام تر توجہ ان بدخصلت بیہودہ نوجوانوں پر مرکوز ہے ۔ دیکھو تو سہی یہ لوگ کس طرح ہنسی ٹھٹھا کر رہے ہیں ۔ اور میں ان کے ساتھ بیٹھا ہوں ۔ مجھ پر لعنت ہو ۔ میں بغیر ان کی گفتگو کا ایک لفظ سمجھے الو کی طرح گردن گھما گھما کر ہنستے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں ۔ میں یہاں جس قدر بے حرکت بیٹھا ہوں حالانکہ مجھے چاہیے تھا کہ میں ان کی گھونسوں سے تواضع کرتا لیکن اس کی بجائے وہ زیادہ بے تکلف ہو جائیں اور دست درازی پر اتر آئیں مجھے اپنے عصا سے انکی خاطر کرنی چاہیے تھی لیکن میں ——— یہ سب برداشت کر رہا ہوں ۔ — کیونکہ میں بزدل ہوں ! میں بزدل ہوں ! بزدل

" مجھے اجازت دیجئے " اطالوی آفیسر نے جلتا ہوا الاؤ ہٹا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پر تکلف انگریزی میں کہا جس سے سلیمون سومن کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا ۔ بوڑھے آدمی نے اس کی طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھا ۔ غصہ تیز ہو گیا ۔ اور اس نے اپنے عصا کے مٹھ کو زور سے پکڑ لیا ۔ اس کے بعد اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا ۔ اور اس نے نفرت سے جواب دیا ۔

" ہاں میں آپ کو اجازت دیتا ہوں " الفاظ مکنت آمیز اسلوب میں برآمد ہوئے ۔ " میں اجازت دیتا ہوں کہ جو دل میں آئے کرو ———

وہ بے دلی سے ہنسا "جو چیز بھی میری ہے وہ تمہارے اختیار میں ہے تم جو بھی چاہو میرا اور ان کا بناؤ۔"

اطالوی افسر جھینپ گیا۔ جرمنی زبان وہ ذرا کم ہی جانتا تھا چنانچہ وہ بین السطور نہ سمجھ سکا۔ لیکن اس بوڑھے آدمی کا چہرہ بشرہ اس کی قلبی کیفیت کا آئینہ دار تھا۔ ہیڈ ڈٹز تعجب و خوف سے یکبارگی کھڑا ہو گیا۔ ماں بیٹی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ عدہ سیمون صون کے بے حس و حرکت ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ اپنی کرسی میں دھنس گیا۔ ایہ نیا نے جلدی سے گفتگو کا آغاز کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ بروں ہیڈ ڈٹز دوبارہ بیٹھ گیا اور اس کی باتیں دلچسپی سے سننے لگا۔ چند لمحوں کے بعد فضا بالکل بدل چکی تھی۔ اور یہ اندازہ لگانا ناممکن ہو چکا تھا کہ ابھی ابھی یہاں کوئی ناخوشگوار حادثہ گزرا ہے۔ بوڑھا اسادوناں اکیلا بیٹھا تھا۔ پلکیں جھک گئیں تھیں۔ شاید وہ اونگھ گیا تھا۔ کسی شخص نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس مرگ آسا خاموشی میں ہلکی پھلکی دلچسپ ظرافت آمیز گفتگو جاری تھی۔ تھوڑے وقفہ کے بعد پرمسرت قہقہہ گونج اٹھتا تھا۔

سلیمون سون کی خاموشی نوجوانوں کے جانے کے بعد بھی بدستور قائم رہی - ماں بیٹی نے اس کی خاموشی پہ کوئی توجہ نہ دی - وہ بغیر شب بخیر کہے اپنی خواب گاہ میں چلا گیا - اور روشنی گل کر دی - اس کے جانے کے بہت دیر بعد اس کی بیوی کمرہ میں آئی - اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ سو چکا ہے - اندھیرے میں لباس تبدیل کیا اور اپنے بستر پہ دراز ہو گئی -

جب وہ خراٹے لینے لگی تب سلیمون سون نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کالی رات کو گھورنے لگا - وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ یہاں جو عورت اس کے کمرہ میں حصّہ بٹا رہی ہے اور اسی کی طرح سانس لے رہی ہے - وہی عورت ہے جسے اس نے پرشباب، دلآویز پایا تھا - یہ وہی عورت ہے

جسکی کوکھ سے اسکی بیٹی نے جنم لیا ہے۔ یہ وہی عورت ہے جس کے گہرے اور پُر اسرار گوشت پوست کے رشتہ سے وہ ایک عرصہ تک منسلک رہا ہے۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے یہ سوچنے لگتا تھا کہ کیا یہ وہی گرم و ریشم سا ملائم اور خوبصورت بدن ہے جسے وہ اپنے بازوؤں میں لے کر بھینچ لیا کرتا تھا۔ کیا یہ اسی عورت کا جسم ہے جو اس کی شریک حیات تھی ؟

ماضی کی یہ یادیں۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ اس کے جذبات کو اکسا نہ رہی تھیں۔ اس نے بے تعلقی سے اپنی بیوی کے سانس کی آواز سنی۔ اور اب اسکی بیوی کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا۔

البتہ ایک مرتبہ وہ ایک آواز پر چونکا۔ یہ دروازہ کھلنے کی آواز تھی۔ ایمیلیا کے کمرے کا دروازہ پھر کھلا تھا۔ سیمون سون بڑبڑایا۔ "دوبارہ آج شب !"

یہ خیال اس کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ گو وہ نبض کی دھک محسوس کر رہا تھا۔ جذبہ اشتعال تک مسدود ہو گئی۔

"جو دل میں آئے وہ کرے۔ مجھے کیا مطلب ؟"

غبارِ خاطر کے چھٹ جانے کے بعد اس نے کروٹ بدلی۔ سرد سیاہ رات نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس کے تمام حواس پہ حملہ کر دیا۔ جلد ہی وہ گہری نیند سو گیا۔

○

جب اس کی بیوی صبح کو اٹھی تو وہ کپڑے بدل چکا تھا۔ "تم کیا کر رہے ہو؟ باہر جا رہے ہو؟ ابھی سویرا ہے!" اس نے غنودگی میں کہا۔

سلیمون موان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اپنے چمڑے کے صندوق میں چیزیں رکھتا رہا۔

"میں گھر واپس جا رہا ہوں، کچھ ضروری چیزیں میں نے اپنے ساتھ لے لی ہیں۔ بقیہ تمام سامان تم بھجوا دینا۔"

اب اس کی بیوی چونکا ہوئی۔ اس نے سوچا آخر ہوا کیا ہے؟ اس نے آج تک اس قسم کے لب و لہجہ میں اسے بولتے کبھی نہیں سنا تھا۔ فیصلہ کن انداز بیان سے سرد مہری ٹپک رہی تھی۔ وہ پلنگ پہ پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

"تم اس طرح تن تنہا نہیں جا سکتے۔ ذرا توقف کرو۔ پھر ہم سب چلیں گے۔ میں نے ایرینا سے بات چیت کر لی ہے۔"

اس نے اپنا سر ہلایا "ہرگز نہیں، نہیں، نہیں، مجھے پریشان مت کرو۔"

بغیر ادھر ادھر دیکھے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ چٹخنی کھولنے کے لیے اُسے اپنا صندوق تابنہ کے لیے نیچے رکھ دینا پڑا۔ جس کے رکھتے ہی ماضی کی یادیں اس کے دماغ سے ابھر آئیں۔ اُس نے سوچا۔ کتنی مرتبہ مجھے ایک اجنبی کمرہ کو چھوڑتے ہوئے اس طرح صندوق نیچے رکھ دینا پڑا ہے۔ اس نے بغیر ایک لفظ کہے اپنا صندوق اٹھا لیا۔ دروازہ سے باہر نکلا۔ اور اسے بند کر دیا۔ گویا اس نے ماضی اور حال کے درمیان پردہ لگا دیا۔

ماں بیٹی یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ آخر اسے ہو کیا گیا ہے۔ اس کی گھمبیر خاموشی، بگڑا ہوا انداز اور پھر اس طرح چلے جانے کی وجہ سے ماں بیٹی سخت پریشان ہو گئیں۔ انہوں نے اضطراب و عجلت میں خط لکھا۔ یہ خط محبت و شفقت انگیز تھا۔ انہوں نے تعلق خاطر سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا وہ خیر و عافیت سے گھر پہنچا اور سفر اچھا گزرا ـــــ اور انہوں نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جب بھی وہ چاہے بلائے وہ یہاں تیار رہی ہیں۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ماں بیٹی نے متعدد خطوط لکھے۔ جواب طلب امور کا جواب دینے کی تاکید کی۔ اس کے بعد تار دے دیا۔ لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ پھر جب انہوں نے ایک خط میں روپے کی ضرورت کا اظہار کیا تو مطلوبہ رقم منی آرڈر کے ذریعہ فوراً

آگہی جسے دفتر کے ذریعہ بھجوایا گیا تھا۔ کسی قسم کی ذاتی بات تحریر نہ تھی

اس ناقابل فہم برتاؤ سے گھبرا کر وہ فوراً گھر واپس ہوئیں۔ ہر چند انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع بذریعہ تار بھجوادی تھی۔ لیکن اس کے باوجود کوئی شخص انہیں لینے سٹیشن پر نہ آیا۔ اور گھر پہنچنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ کوئی اہتمام و انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ ملازموں نے بتایا کہ مالک نے تار کو میز پر رکھ دیا تھا۔ لیکن ہم لوگوں کو کوئی ہدایت نہ کی تھی۔ رات کے وقت جب ماں بیٹی کھانا کھانے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے سامنے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور دوڑتی ہوئی ہال تک گئیں۔ بڈھے سٹیمونسون نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ غالباً وہ تار کا متن بھول چکا تھا۔ اس نے بغیر کسی تاثر کے اظہار کے اپنی بیٹی کو گلے ملنے دیا۔ اور دونوں کے ساتھ وہ کھانے کے کمرے میں گیا۔ اور انہیں اپنے سفر کی کہانی کہتے سنتا رہا۔ اس نے کوئی سوال نہ پوچھا۔ خاموش بیٹھا سگار پیتا رہا۔ کچھ براہ راست اس سے پوچھا بھی گیا تو اس نے "ہاں" اور "نہ" میں جواب دے کر قصہ تمام کیا۔ ان کی روداد وہ کسی خاص توجہ سے سن بھی نہ رہا تھا۔

اس طرح کئی دن گزر گئے۔ اس کی بیوی سخت تشویش و رنج میں تھی

کئی مرتبہ اس نے گفتگو کی کوشش کی تاکہ معاملہ کی تہہ کو سمجھ سکے۔ لیکن وہ جتنی شدت کے ساتھ سلسلہ کلام شروع کرنے کی کوشش کرتی تھی اسی قدر سلیمون سون کی خاموشی گمبھیر ہوتی جاتی تھی۔ دروازوں پہ قفل چڑھا دیئے گئے تھے۔ گلیارے کے درمیان دیواریں چُن دی گئی تھیں۔ اس کے یہ تمام کام ماں بیٹی کے لئے ناقابل فہم تھے۔ وہ خود ان سے ملنے سے اجتناب کیا کرتا تھا۔ البتہ وہ کھانے کی میز پہ ان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ اور جب مہمان آتے تو وہ وہاں موجود ہوتا۔ لیکن ایک گوشے میں خاموش اور اپنے خیالات میں کھویا کھویا سا رہتا۔ کوئی بھی مہمان اگر گفتگو کے درمیان اس کی نگاہوں کو دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں زہر آگیں، درد دکھ کی جھلک صاف نظر آتی ———— کیونکہ سلیمون سون ایسی پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا جو کسی اور دنیا کی معلوم ہوتی تھیں۔ گویا وہ اپنے وجود خاکی کے ساتھ وہاں نہیں ہوتا تھا۔

یہاں تک کہ کبھی کبھی آنے والے لوگ بھی اب یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ دن بدن بوڑھا خبطی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ گلی میں جب دو دوست ملتے تو وہ ایک دوسرے کو کہنی مارتے۔ اس پہ استہزا کرتے۔ سلیمون سون شہر کے رئوسا میں ایک تھا۔ لیکن وہ اپنے گھر کی چہار دیواری میں

خود کو ایک فقیر سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا ۔ اسکی ٹوپی پرانی اور میلی ہو چکی تھی ۔ اس کے کوٹ پر تمباکو کی گرد جم چکی تھی ۔ وہ لڑکھڑا کر چلنے لگا تھا ۔ وہ خود کلامی میں مبتلا تھا ۔ جب کوئی شخص اس کا خیر مقدم کرتا تو صورت سوال بن جاتا ۔ اور جب کوئی راہگیر اُسے مخاطب کرتا تو وہ متکلم کو ویران نگاہوں سے گھورنے لگتا ۔ اور ہاتھ ملانا بھی بھول جاتا ۔ پہلے لوگ یہ سمجھتے کہ یقیناً گونگا ہے ۔ چنانچہ انہوں نے چلاّ چلاّ کر اپنے الفاظ دہرائے ۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ اُسے اپنے متلاطم خیالات سے باہر نکالنے میں ذرا دیر لگتی تھی ۔ اور کبھی وہ گفتگو کرتے کرتے دوبارہ اپنے خیالات میں ڈوبنے لگا جاتا تھا ۔ جب کبھی یہ صورت حال پیش ہوتی تو اس کی نگاہوں کی روشنی بجھ جاتی ۔ وہ یکایک منہ موڑ لیتا اور اپنے خیالات میں محو ہو کر مخاطب کے حیرت و استعجاب سے بے خبر ہوتا تھا ۔ وہ قطعی بے خودی کے عالم میں تھا ۔ خود میں جذب ہو کر رہ گیا تھا ۔ اور تمام عالم اس کی نظر میں مردہ ہو چکا تھا ۔ وہ کسی کی صحت دریافت نہیں کرتا تھا ۔ گھر پر وہ اپنی بیوی کی بیقراری و بدحواسی اور اپنی بیٹی کی پریشان کن حیرانی کو فراموش کر چکا تھا ۔ اس نے اخبار پڑھنا بھی چھوڑ دیا تھا ۔ اور نہ وہ دوسروں کی باتیں سنتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں ۔ اور نہ کوئی دوسرا خیال اس کے دل میں

گھر کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر کیلئے دفتر جاتا۔ اپنی میز کے سامنے بیٹھ جاتا۔ اور ظاہراً وہ دستخط کرنے کے لئے خطوط کا انتظار کیا کرتا تھا۔ اور جب سیکرٹری خطوط کا بنڈل اس کے سامنے رکھ جاتا اور کچھ دیر کے بعد انہیں لینے آتا تو وہ سیمون کو ان خطوط کو گھورتا ہوا پاتا۔ وہ خطوط نہ پڑھے جاسکتے اور نہ ان پر دستخط ثبت ہوتے۔ اپنی آمد کو بیکار گردانتے ہوئے سیکرٹری واپس چلا جاتا۔

سب سے حیرت انگیز بات شہر والوں کے لئے یہ تھی کہ سیمون جو مذہبی رسومات کا کچھ زیادہ قائل نہ تھا اب بالکل مذہبی آدمی بن چکا تھا۔ ہر چند کہ وہ جملہ معاملات سے بیگانہ ہو چکا تھا۔ وہ ملاقات کو منسوخ کر دیا کرتا تھا۔ کھانے کی میز پر بے وقت پہنچتا۔ لیکن اوقات عبادت کی سختی سے پابندی کرنے لگا تھا۔ عبادت سے اسے طمانیت قلب ہوتی۔ اور وہ کچھ دیر کے لئے دلشکن خیالات سے چھٹکارا پالیتا۔

ایک دن جب وہ اپنی بے مقصد بادیہ پیمائی سے واپس ہو رہا تھا۔ تو زوروں کی بارش ہونے لگی۔ حسب معمول وہ چھتری لانا بھول گیا تھا۔ وہ اونی کرایہ پر بڑی آسانی سے گھر واپس آسکتا تھا۔ راہ میں کئی ایسی جگہیں تھیں جہاں وہ پناہ لے سکتا تھا۔ لیکن وہ موسلا دھار بارش میں چلتا رہا۔ اس

کے فیلٹ ہیٹ میں ایک چھوٹا سا تالاب بن گیا۔ اور اس کے بھیگے ہوئے دامن سے چشمے ابل پڑے۔ وہ اس راستہ کا تنہا راہ گیر تھا۔ پانی کپڑوں کو شرابور کرتا ہوا اس کے جسم کو تر کر رہا تھا۔ اور وہ ایک خوشنما اور وسیع مکان کا مالک ہونے کے باوجود خانماں ویران معلوم ہو رہا تھا۔

جب وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو ایک تیز روشنی والی کار اس پر کیچڑ اچھالتی ہوئی نزدیک آ کر رکی۔ کار کا دروازہ کھلا اور ایک شخص تیزی سے چھتری لیے نکلا۔ تاکہ وہ خاتون کو بھیگنے سے بچائے جو پچھلی سیٹ سے ایک دوسرے شخص کے ساتھ اتر رہی تھی۔ یہ سلیمون سوان کی بیوی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو اس حلیہ میں پہچاننے سے اغماض کیا۔ اس نے اپنی نظریں پھیر لیں۔ بوڑھے کو اس کی بے رخی کا مطلب سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ مہمانوں کی موجودگی میں وہ مجھے اپنا شوہر کہلانے سے شرما رہی ہے۔ وہ بغیر کسی حیرت و تلخی کا اظہار کیے شاگرد پیشہ کی کوٹھری کی طرف مڑ گیا۔ اور پھر راستہ کاٹ کر مکان میں داخل ہوا۔ اس دن سے مستقل طور پر ملازموں کے آنے جانے کے راستے کو اختیار کر لیا۔ تاکہ اس کا سامنا بیوی کے دوستوں سے نہ ہو۔ وہ کسی کو پریشان کرنا

نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اسے بھی کوئی دقت نہ کرنا تھا۔ اب اس نے کھانے کے کمرے میں بھی جانا ترک کر دیا تھا۔ ایک عمر رسیدہ ملازمہ اُسے کمرہ ہی میں کھانا پہنچا دیا کرتی تھی۔ اگر اس کی بیوی یا ایہ نیا اس کے ساتھ وہاں کھانے میں شریک ہونا چاہتیں تو وہ انقباض محسوس کرتا چنانچہ بالآخر ماں بیٹی نے سوچا کہ اسے اپنے حال پہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور جس طرح وہ ہر بات اور ہر شخص کو فراموش کر رہا ہے ہمیں بھی اُسے فراموش کر دینا چاہیئے۔ چہار دیواری میں خود کو محبوس رکھنے کے باوجود ہال میں بلند ہونے والے قہقہے اور موسیقی کی لہریں اس کے کانوں میں آتیں اور رات گئے کاروں اور بگھیوں کی آمدو رفت کی گڑگڑاہٹ وہ سنتا۔ تھا۔ لیکن اب اس قدر بے تعلق ہو چکا تھا کہ وہ کھڑکی کھول کر دیکھنے کی بھی زحمت نہ کرتا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ آخر اس آمدو رفت سے اُسے تعلق ہی کیا تھا۔ صرف کتا وقتاً فوقتاً بالائی منزل میں اس کے پاس آتا۔ اور اپنے خود فراموش آقا کے پلنگ کے پاس لیٹ جایا کرتا تھا۔

جب دل بجھ جاتا ہے تو مصائب سہنے کی قوت باقی نہیں رہتی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس کے گردوں میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ اور اندر ہی اندر جسم میں سرنگ بنا رہے تھے۔ گوشت و پوست کو چاٹ رہے تھے۔ ہفتہ عشرہ کے اندر اندر یہ حملہ زیادہ تر شدید ہو گیا۔ بالآخر ڈاکٹروں نے جب اسے اپریشن کرانے کا مشورہ دیا تو وہ فوراً تیار ہو گیا۔ ماہر معالج یہ کہکر اپنے تئیں اسے اطمینان دلا رہے تھے کہ اپریشن کا وقت آگیا ہے۔ سلیمون سمون خوف زدہ نہ تھا۔ وہ بس بے نیازی سے مسکرا رہا تھا۔ شکر ہے خدا کا کہ انجام نزدیک ہے۔ موت جلد آجائیگی۔ موت، آرام پہنچانے والی قریب منڈلا رہی ہے! اس نے ڈاکٹروں کو اپنی بیوی اور ایرینیا کو صورت حال

کی اطلاع دینے سے منع کر دیا۔ اپریشن کا وقت مقرر کر دیا گیا تھا اور وہ تیار تھا۔ آخری مرتبہ وہ دفتر گیا۔ کسی شخص کو اس کے آنے کی توقع نہ تھی۔ اور ہر شخص نے اُسے اجنبی نگاہوں سے دیکھا۔ ایک مرتبہ پھر جھکڑا ندُھے ہوئے اونچے سٹول پر بیٹھا۔ جس پر وہ تیس سال سے بیٹھتا آیا تھا۔ چیک لکھ بینے کے بعد وہ وہاں سے یہودیوں کے معبد گاہ کے صدر کے پاس گیا۔ وہ رقم کی تعداد دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ کیوں کہ سلیمون سون کی تدفین اور قبر کے اخراجات کی کفالت کے بعد جو رقم بچی تھی۔ اس کے متعلق اس نے ہدایت کر دی کہ وہ مفاد عامہ پر صرف کی جائے۔ اور اس کے بعد وہ فوراً ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ تاکہ احسان مندی کے الفاظ نہ سن سکے۔ تیزی سے اٹھ کر چلنے کی وجہ سے اس کی ٹوپی گر پڑی۔ اس نے اٹھانے کی زحمت نہ کی۔ ننگے سر۔ بے رونق چہرہ۔ غم زدہ آنکھوں کو لئے ہوئے وہ قبرستان گیا۔ تاکہ وہ اپنے والدین کی قبر پہ فاتحہ پڑھے۔

جب وہ امتداد زمانہ سے ٹوٹے پھوٹے مزاروں سے خود کلامی میں مصروف ہوا اور اس طرح ان کو مخاطب کر رہا تھا یا انکی اعانت چاہ رہا تھا کہ کوئی شخص اس کی آواز نہ سُن سکا۔ لیکن اس کے لب ہلتے نظر آرہے تھے۔ اور سر دُعا مانگنے کے انداز میں جھکا ہوا تھا۔ قبرستان کے

دروازہ پہ فقیروں نے اُسے گھیر لیا۔ اس نے جیب ٹٹولی اور جو کچھ نکلا سب اُن فقیروں میں بانٹ دیا۔ اس کے بعد ایک بوڑھا فقیر اس کی جانب لپکا۔ اس نے اپنی جیبوں کی تلاشی لی۔ اب وہ خالی ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی ایک انگلی میں شدت کا درد محسوس کیا۔ جس سے اسکی توجہ دوسری طرف مبذول ہو گئی۔ ایک خیال اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی شادی کی انگشتری اتاری اور ایک فقیرنی کو دیدی۔ اسطرح وہ تمام ذاتی ملکیت سے آزاد ہو کر اپریشن کے لیے تیار ہو گیا۔

جب وہ اپنے بزرگوں کی زیارت سے ہو کر اپریشن کے لئے واپس آیا تو ڈاکٹر جو اس کی حالت سے اچھی طرح واقف تھے اس کی بیوی اور بیٹی کو اطلاع کر دی۔ اپریشن کئے جانے کے بعد اس کی بیوی اور بیٹی وہاں پہنچ گئیں۔ اس نے اپنی آنکھیں بدقت تمام کھولیں۔

”میں کہاں ہوں؟“ سفید دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ایرینا پُر شفقت انداز میں اس پر جھکی۔ اس کی آنکھوں میں شناخت کی روشنی چمک اٹھی۔ یہ اس کی پیاری بیٹی تھی۔ اس کے لبوں پر لطیف مسکراہٹ کی جھلک پیدا ہوئی۔ وہ اس تھوڑی سی محبت سے بہت متاثر نظر آتا تھا۔ جو طویل مدت سے اسے نہ ملی تھی۔ وہ اپنے باپ کے ہونٹوں

کو چومنے کے لئے اور بھی جھک گئی۔

کون کہہ سکتا ہے کہ کس چیز نے اس کے حافظہ کو اسقدر بیدار کر دیا۔ کہ تمام باتیں اُسے یکایک یاد آنے لگیں۔ غالباً ایہ نیا کے جوڑے کی خوشبو نے اس کے "تلاذات" کو جلا دے دی۔ اس کا چہرہ اچانک بدل گیا۔ اس کا زرد ہونٹ غصے میں کپکپانے لگا۔ وہ اپنا ہاتھ تکیہ کے نیچے سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گویا وہ کسی قابل نفرین چیز کو خود سے دور ہٹانا چاہتا تھا۔ اس کا زخمی جسم جوش مارنے لگا ——————

—— " دور ہو جاؤ ۔ دور ہو جاؤ " نحیف آواز صاف سنائی دے رہی تھی ——

اس قدر شدت نفرت کا نزع کے عالم میں بوڑھے نے مظاہرہ کیا۔ کہ ڈاکٹروں نے عورتوں کو کمرہ سے باہر جانے کے لئے جلدی سے ہنچھایا۔ —— " مسٹر سلیمون سون نزع میں ہیں " ڈاکٹر نے سرگوشی کی —— " بہتر ہے کہ آپ لوگ باہر ٹھہریں "۔

جیسے ہی ماں بیٹی باہر نکلیں اس کا غصہ فرو ہو گیا۔ بوڑھا اطمینان سے کچھ دیر تک سانس لیتا رہا —— اور پھر اس نے ایک گہری سانس لی ، ایک ہچکی آئی۔ سانس رکی۔ دم نکل گیا ——

اختتامیہ

اس کتاب کی ضخامت کم ہے لیکن انسانی فطرت و نفسیات کی گرہ کشائی کے لیے اس کتاب کی اہمیت مسلم ہے۔ پہلا حصہ جرمنی کے عالمگیر شہرت کے مالک اسٹیفن جونیگ کے ناولچہ "A LETTER FROM UNKNOWN WOMAN" کا ترجمہ ہے اور دوسرا حصہ اسی مصنف کے ایک دوسرے ناولچہ "FAILING HEART" کا تلخیص و ترجمہ ہے، تلخیص کی ضرورت اس لیے درپیش ہوئی کہ مصنف نے بوڑھے سلیمان سومن کے ذہن کا تجزیہ کرتے ہوئے بعض اتنے واضح اور غیر مبہم حقائق کو پیش کیا ہے جس کا متحمل ہمارا مروجہ

معاشرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ حالانکہ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ اخلاقی اقدار کے تحفظ کے لئے معاشرتی اور نفسیاتی مسائل پر رمز و کنایہ میں کچھ کہنے کی بجائے کھل کر اور دو ٹوک باتیں زیادہ تیر بہدف ہوتی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ میری اس خدمت کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جائیگا۔

ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب کا میں بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے ابتدائیہ لکھکر اس کتاب کو زینت بخشی اور اپنے جرمن دوست ڈاکٹر گلسوئٹ نورجی کا جنہوں نے جرمن اور فرانسیسی عبارت کا انگریزی میں ترجمہ میری فرمائش پر کیا۔

مترجم

ابلیس تابوت میں :-

اسرار و سراغرسانی کا قتل و خون سے بھرپور شاہکار جو انگریزی زبان میں لاکھوں کی تعداد میں بک چکا ہے۔ دلکش اردو ترجمہ۔

قیمت تین روپے

سرخ چھلاوہ :-

انقلاب فرانس کے خونی دور میں چھلاوے کے کارنامے جو اسرار کے ساتھ ساتھ تاریخ فرانس سے بھی روشناس کراتا ہے۔

قیمت چار روپے

ظالم اندھا :- دریائے ٹیمز پہ ایک لاش ملتی ہے۔ انسپکٹر یری سراغرساں کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ اندھے انسان کے ہولناک اقدام، قتل و غارت کے خوفناک واقعات سے لبریز۔

قیمت چار روپے

خون آشام

ہنگری کے ایک رئیس زادہ کی خوفناک داستان
جو انسانی خون پیا کرتا تھا ۔

برام سٹوکر کے شہرہ آفاق انگریزی ناول
ڈریکولر کا دلکش ترجمعہ از قلم آغا شریف قزلباش
بی ۔ اے ۔ عیگ   قیمت **4/8/-**

ظالم اندھا

ایڈگرویلس کے ایک مشہور ناول کا نہائت
دلکش ترجمعہ ۔

ظالم اندھے کے خوفناک کارنامے جسے پڑ
آپ حیرت میں گم ہوجائینگے ازقلم محمد انور منیر قیمت -/